ان میں درج ہوتی تھیں، پھر ان رپورٹوں پر سکریٹری کا ایک تبصرہ ہوتا تھا، انھی رپورٹوں کی روشنی میں انیسویں صدی کے نصف اول کے محض ۱۰ برسوں میں یعنی ۱۸۴۳ء سے ۱۸۵۳ء تک جو اخبارات ان صوبوں سے نکلتے تھے یا جو کتابیں چھپی تھیں عتیق صاحب نے ان کو مرتب کرکے شائع کردیا ہے، سرکاری رپورٹوں کے ساتھ مرتب نے اس میں دوسرے ذرائع سے بھی اچھا خاصا اضافہ کیا ہے، اس رپورٹ کی اشاعت سے اردو صحافت کی ابتدائی تاریخ مرتب کرنے میں بڑی مدد ملے گی امید ہے کہ ان رپورٹوں کی اشاعت کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

سہل تجوید۔ از قاری سید کلیم اللہ صاحب حسینی، صفحات ۸۰، کتابت و طباعت عمدہ، ناشر ادارۃ القرآن والدینیات الکلیمہ، حیدرآباد دکن، قیمت عمر

فن تجوید پر اردو میں جو کتابیں اور رسالے لکھے جاچکے ہیں انھی میں سہل تجوید بھی ہے، جو پانچویں بار شائع ہوئی ہے اس کے مصنف محض قاری نہیں ہیں، بلکہ لندن سے پی، ایچ، ڈی ہیں، اور جامعہ عثمانیہ میں فارسی کے پروفیسر رہ چکے ہیں، یہ رسالہ واقعی اسم بامسمی ہے، اس فن سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، بلکہ ابتدائی درجات میں یہ داخل نصاب کرنے کے لائق ہے۔

ہماری نعت۔ از شفیع الدین صاحب نیر، صفحات ۳۲، کتابت و طباعت اعلیٰ، ناشر کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار، دہلی ۶، قیمت تیس نئے پیسے

نیر صاحب کی متعدد کتابوں کا تعارف معارف میں ہوچکا ہے، یہ کتاب محض نعت نبوی پر مشتمل ہے، جو انھوں نے چھوٹے بچوں کے لیے لکھی ہیں، مولانا عبدالسلام صاحب ندوی قدوائی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ "اس میں نیر صاحب نے دل کے ساتھ عقل کو بھی متاثر کرنے کی کوشش کی ہے" امید ہے کہ اسلامی نظموں کی طرح ہماری نعت بھی بچوں میں مقبول ہوگی، اس میں نعتیہ نظمیں اس ترتیب سے لکھی گئی ہیں کہ اس سے سیرت نبوی کا پورا خاکہ بچوں کے ذہن میں آجاتا ہے۔

م۔ ج

جلد ۹۳۔ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ مطابق فروری ۱۹۶۴ء عدد ۲

فہرست مضامین

شذرات

آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات جن کو انسانی وحشت و درندگی کہنا زیادہ صحیح ہے، زندگی کا ایسا معمول بنگئے ہیں کہ شکل ہی سے کوئی سال ان سے خالی جاتا ہے ابھی جبلپور، علی گڈھ اور میرٹھ کے فسادات کے زخم مندمل بھی نہیں ہوئے تھے کہ کلکتہ کے فساد نے ان سب کو بھلا دیا، اس فساد میں مسلمانوں پر جو تباہی آئی ہے، اسکی تلافی کی بظاہر کوئی امید نہیں، اور آیندہ کلکتہ کے مسلمانوں کا پنپنا بہت دشوار ہے، اگر حکومت ہند کے وزیر داخلہ شری گلزاری لال نندا نے پوری مستعدی سے اپنا فرض ادا نہ کیا ہوتا تو معلوم نہیں مسلمانوں پر اور کیا قیامت گذر جاتی، جس کے لیے وہ تحسین اور تشکر کے مستحق ہیں، اگر صوبائی حکومتیں پہلے سے اسی مستعدی کا ثبوت دیا کریں تو فساد کی نوبت ہی نہ آئے، یا کم سے کم وہ سنگین صورت اختیار نہ کرنے پائے، مگر ان کو تو اس وقت ہوش آتا ہے، جب معاملہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے اور فسادی اپنا کام ختم کر چکے ہیں۔

گو پاکستان میں مدتوں کے بعد فساد ہوا ہے لیکن اس سے اس کا جرم ہلکا نہیں ہوتا، اس بارہ میں اس پر ہندوستان سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ اسلامی حکومت کا مدعی ہے، اور اسلام نے اپنی غیر مسلم اقلیت ہو یا اکثریت دونوں کی جان، مال اور عزت و آبرو مسلمانوں کے برابر قرار دی ہے، اور اسلامی حکومت پر اسکی ویسی ہی ذمہ داری ہے جیسی مسلمانوں کی حفاظت کی ہے، دوسرے اسلام کسی ناکردہ گناہ سے بدلہ لینے کی اجازت نہیں دیتا، اور ہندوستان کے فساد کا پاکستان کے ہندوؤں سے بدلہ لینا سراسر اسلامی تعلیم کے خلاف ہے، اور اس سے ہندوستان کے مسلمانوں کو فائدہ کے بجائے الٹا نقصان پہنچتا ہے، پاکستان کو اس کا صحیح اندازہ نہیں کہ اسکی ایک غلطی سے ہندوستانی مسلمانوں پر کیا گذر جاتی ہے، کیونکہ ہندوستان میں جمہوریت اور سیکولرزم کے دعوی کے باوجود یہاں کے مسلمانوں کو پاکستان کا یرغمال سمجھا جاتا ہے، گو حکومت کا یہ نقطۂ نظر نہیں لیکن اکثریت کے مقابلہ میں وہ بھی بے بس ہے۔

اس مرتبہ ڈھاکہ اور نرائن گنج کے فساد کے بعد مختلف سمتوں سے تبادلۂ آبادی کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں، گو حکومت نے اس قسم کا کوئی خیال ظاہر نہیں کیا ہے، لیکن وہ بھی پاکستان کے ان ہندوؤں کے لیے جو ہندوستان منتقل ہونا چاہیں، سہولتیں فراہم کرنے پر آمادہ ہے، اس سے انکو ترک وطن کی ترغیب ہوگی اور نقل آبادی کی ترغیب درحقیقت دو قومی نظریہ کی تصدیق ہے اسلئے کسی شکل میں بھی اسکی حوصلہ افزائی نہ ہونی چاہیے، جن لوگوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ پاکستان کے ہندوؤں کو نکالنے کے بعد ہندستان کے مسلمانوں کو بھی نکالدیا جائیگا یا انکو اچھوت بنا کر رکھا جائیگا، وہ سخت غلطی پر ہیں، ہندوستان یہاں کے مسلمانوں کا بھی ویسا ہی وطن ہے اور اس پر ان کے بھی وہی حقوق ہیں جیسے ہندوؤں کے ہیں جس کو ہندوستان کا دستور بھی مانتا ہے، اسلیے کوئی قوت بھی مسلمانوں کو اس حق سے محروم نہیں کر سکتی، وہ ہندوستان یا پاکستان کی جائداد منقولہ نہیں ہیں کہ جہاں چاہا ان کو منتقل کر دیا، مسلمان کبھی اس ننگ کو گوارا نہیں کر سکتے، وہ من حیث القوم ترک وطن کو تصور میں نہیں لا سکتے، ان کو ہندوستان ہی میں رہنا اور یہیں جینا اور مرنا ہے۔

پانچ کروڑ مسلمانوں کو ختم کر دینے یا ان کو اچھوت بنا کر رکھنے کا تصور ایسا احمقانہ اور مضحکہ خیز ہے جس کو فرقہ پرور دل کے علاوہ کوئی سنجیدہ جماعت سوچ ہی نہیں سکتی، جو لوگ تبادلۂ آبادی کو سوچتے ہیں وہ درحقیقت پھر ہندوستان کی تقسیم اور ۱۹۴۷ء کے واقعات کا اعادہ چاہتے ہیں، جس کو کوئی ہوشمند گوارا نہیں کر سکتا، اس کا حل اسکے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ دونوں ملکوں کی حکومتیں اور اکثریت اپنی اپنی اقلیتوں کے بارہ میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور انکو اجنبی سمجھنے کے بجائے اپنی قوم اور ملکی حقوق میں برابر کا شریک سمجھیں، اس کے علاوہ اور جو شکل بھی اختیار کیجائے گی وہ تباہی کی طرف لیجائے گی۔

مسٹر چھاگلا جب سے وزارت میں آئے ہیں، بیشتر اختلافی مسائل خصوصاً مسلمانوں کے معاملات میں ہمیشہ غلط مشورے دیتے ہیں، ابھی گذشتہ اکتوبر میں مسلم یونیورسٹی کی ایک تقریر میں انہی کے الفاظ ہیں انھوں نے مسلمانوں کو اکثریت کی تہذیب کے دھارے میں بہ جانے کا مشورہ دیا، پھر اردو کے رسم الخط کو دیوناگری بنا دینے کی صلاح دی، اب انھوں نے مسلمانوں کے پرسنل لا میں تبدیلی کا حق پارلیمنٹ کو سونپ دیا، یعنی جس

معاملہ میں مداخلت سے خود حکومت برأت ظاہر کر چکی ہے، مسٹر چھاگلا اصرار کر کے اس کو اس پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں، مذہبی نقطۂ نظر سے قطع نظر جس سے مسٹر چھاگلا کو برائے نام ہی تعلق ہے، کم از کم ایک قانون داں اور سابق جج کی حیثیت سے وہ اتنا تو واقف ہی ہوں گے کہ مسلمانوں کے پرسنل لا کا تعلق دنیاوی قانون ساز جماعتوں سے نہیں بلکہ اسلامی شریعت سے ہے جس کے خلاف ترمیم کا حق خود مسلمان حکومتوں کو بھی نہیں ہے، اور جو مسلمان حکومت ایسا کرتی ہے وہ مذہب کے سراسر خلاف ہے، اس لیے اس کا عمل دلیل نہیں بن سکتا، اگر مسٹر چھاگلا کو اپنی وفاداری اور سیکولرزم ہی کا ثبوت دینا ہے تو اس کے لیے اور [illegible] بھی ہیں، انھوں نے مذہب کو اس کے لیے کیوں منتخب کیا ہے۔

سید ظہیر الدین علوی مرحوم رجسٹرار جامعہ اردو علی گڈھ کی وفات دنیائے اردو کا افسوسناک سانحہ ہے، جامعہ اردو ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے، اس کے ذریعہ اردو کی تعلیم کی جس قدر اشاعت ہوئی اس کی مثال کوئی ادارہ پیش نہیں کر سکتا، جامعہ اردو کے امتحان دینے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو گئی ہے، اس کی سند کو ہندوستان کی متعدد یونیورسٹیوں نے تسلیم کر لیا ہے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سیکڑوں آدمیوں نے جامعہ اردو کے امتحانات کے ذریعہ محض انگریزی زبان دانی کا امتحان دے کر انگریزی کی پوری تعلیم حاصل کر لی، اس سے لڑکیوں کی تعلیم میں خصوصیت کے ساتھ بڑی سہولت پیدا ہو گئی ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے بعد جامعہ کی رجسٹراری کے لیے مولوی نور الرحمٰن صاحب کا انتخاب عمل میں آیا ہے، جو اپنی قابلیت اور تجربہ کے لحاظ سے اس جگہ کے لیے موزوں ترین شخص ہیں، اور ہم کو یقین ہے کہ وہ اپنے پیشرو کے صحیح جانشین اور ان کا نعم البدل ثابت ہوں گے۔

مقالات

اسلامی رصد خانے

از جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے ایل ایل بی رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش

(۲)

مامون الرشید کا عہد خلافت

۱۹۸ھ میں امین کے بجائے مامون خلیفہ ہوا، اس کی تخت نشینی گویا تخت کیانی پر خسرو نوشیرواں کا احیاء تھا، خلیفہ ہونے کے بعد مامون نے اس ثقافتی تحریک کو زندہ کیا جس کی بنیاد منصور نے ڈالی تھی، جو ہارون کے عہد میں برامکہ کے زیر سرپرستی پروان چڑھی اور برمکیوں کی نکبت و زوال سے وقتی طور پر رک گئی تھی،

عقلیت و یونان پسندی مامون الرشید عباسی خلفاء میں اپنی "عقلیت نوازی" اور "یونان پسندی" کے لیے مشہور ہے، ابن شاکر الکتبی نے لکھا ہے:-

"امیر المومنین ابو العباس المامون (عبد اللہ بن ہارون) .... جب بڑے ہوئے تو انھیں یونانی علوم کا شوق دامنگیر ہوا اور فلسفہ میں مہارت حاصل کی، اسی وجہ سے قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہو گئے۔" (فوات الوفیات جلد ثانی ص ۲۳۹)

یونانی فلسفہ سے اسے اس درجہ عقیدت تھی کہ وہ اس کے دل و دماغ پر مستولی ہو گیا تھا، اور سوتے جاگتے اسے یونانی حکمت اور یونانی حکماء ہی نظر آتے تھے۔ ابن الندیم لکھتا ہے:-

"مامون نے خواب میں دیکھا کہ ایک سفید فام .... نیکو مرد اپنے تخت پر بیٹھا ہے، مامون کہتا ہے
ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس کے سامنے میرے اوپر رعب اور ہیبت طاری ہوگئی ہے، میں نے اس سے پوچھا
آپ کون ہیں، جواب دیا ارسطاطالیس، اس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی، اور کہا اے حکیم! کیا میں کچھ
دریافت کروں، جواب دیا، پوچھو۔ میں نے کہا خوب کیا ہے؟ کہا جسے عقل اچھا کہے۔ میں نے کہا پھر؟ کہا جسے
شریعت اچھا کہے۔ میں نے کہا پھر؟ کہا: جسے لوگ اچھا کہیں۔ میں نے کہا پھر؟ کہا: پھر کوئی پھر پھر نہیں
.... اور تم توحید کو لازم پکڑو۔" (الفہرست ص ۳۳۹)

غالباً اسی عقلیت نوازی اور علوم الاوائل کی جانب میلان مفرط کی وجہ سے وہ زندقہ کے ساتھ متہم تھا۔[۱]

یونانی علوم کا داخلہ مسلمانوں میں یونانی علوم کا آغاز یوں تو خالد بن یزید بن معاویہ کے زمانے سے ہوگیا تھا، مگر
اس کی باقاعدہ ابتدا منصور عباسی کے عہد حکومت سے ہوئی، اس کی تفصیل اوپر مذکور ہو چکی ہے، اور اس کی معراج کمال
مامون الرشید کا عہد خلافت ہے، ابن الندیم مذکورہ الصدر خواب نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:-
"یہ خواب مامون کے لیے یونانی علوم کی کتابیں ترجمہ کرانے میں سب سے موکد سبب بن گیا، اس نے بادشاہ روم
کے ساتھ خط و کتابت کر کے اسے آخر کار اس بات کے لیے راضی کر لیا کہ اس کے ملک میں قدیم علم و حکمت
کے جو منتخب نسخے موجود تھے، انھیں بلاد اسلام بھیجنے کی اجازت دیدے، قیصر روم بڑی مشکل سے اس پر
راضی ہوا، پس مامون نے کتابیں منتخب کر کے لانے کے لیے ایک جماعت بھیجی جن میں حجاج بن مطر، ابن البطریق
اور سلما صاحب بیت الحکمۃ تھے، پس جب لوگ انتخاب کر کے یونانی علوم کے شاہکار مامون کے پاس لائے

---

[۱] چنانچہ ابن الندیم کتاب الفہرست (ص ۴۷۳) میں "ذکر من کان یرمی بالزندقۃ من الملوک والرؤساء"
کے زیر عنوان لکھتا ہے:-

قرأت بخط بعض اهل المذهب	میں نے بعض اہل مذاہب کی تحریر میں پڑھا ہے کہ
ان المامون کان منهم وکذب فی ذلک	مامون بھی انہی میں تھا، گو یہ جھوٹ ہے۔

تو اس نے ان کے ترجمہ کا حکم دیا، اس طرح یہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔" (الفہرست ص ۳۳۹)

علمی سرپرستی علم و حکمت کی سرپرستی میں مامون اسلام کی ثقافتی تاریخ میں نمایاں شہرت کا مالک ہے،
قاضی صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں لکھا ہے:-
"جب بنو عباس میں سے ساتویں خلیفہ عبد اللہ المامون کو خلافت پہنچی ...... تو جس تحریک کا ان کے
پردادا منصور نے آغاز کیا تھا، انھوں نے اسے تکمیل کو پہنچایا، جہاں سے علم مل سکتا تھا، ادھر متوجہ ہوئے
اور اپنی ہمت عالی اور عزم راسخ سے علوم کو ان کے معادن سے نکالا، روم کے بادشاہوں سے خط و کتابت
کی، انھیں بیش قیمت ہدیے اور تحفے بھیجے، اور ان کے بدلے میں ان کے یہاں جو فلسفہ کی کتابیں تھیں، انکی
خواہش کی، پس انھوں نے افلاطون، ارسطاطالیس، بقراط، جالینوس، اقلیدس اور بطلیموس وغیرہ
فلاسفہ کی جو کتابیں ان کے یہاں موجود تھیں، مامون کو بھیجیں، مامون نے ان کے ترجمے کے لیے ماہرین کو
منتخب کیا، اور انھیں بہترین طور پر ان کا ترجمہ کرنے پر مامور کیا، اس طرح باحسن وجوہ ان کتابوں کا ترجمہ ہوا،
اس کے بعد مامون نے لوگوں کو ان کے پڑھنے پر برانگیختہ کیا اور ان کی تعلیم کی ترغیب دلائی، اس طرح
ان کے زمانہ میں علم کا بازار گرم ہوگیا، اور حکمت کی سلطنت قائم ہوئی ..... پس اہل علم
کی ایک جماعت نے مختلف علوم میں کمال حاصل کیا۔" (طبقات الامم ص ۷۵-۷۶)

اس کام کے لیے اس نے عہد ہارونی کے خزانۃ الحکمۃ کی بیت الحکمۃ کے نام سے تجدید کی اور سہل بن ہارون کو اس کا
منتظم اعلیٰ اور اس کے بھائی سعید نیز سابق لائبریرین سلمائے حرانی کو اس کا شریک کار مقرر کیا،[۱] ابن ابی اصیبعہ
نے لکھا ہے کہ حنین جن اوراق پر ترجمہ کیا کرتا تھا، مامون اسے ان کے ہم وزن سونا دیتا تھا،[۲]
خلیفۂ وقت کا یہ علمی میلان اور ہنر پروری کا یہ شوق ملک کے عام مذاق کو متاثر کیے بغیر کس طرح
چھوڑ سکتا تھا، چنانچہ کچھ ہی عرصہ میں قلمرو ے خلافت علم و حکمت کی روشنی سے بقعۂ نور بن گیا،

---

[۱] الفہرست ص ۴۷، نیز ص ۱۸۲، [۲] عیون الانباء فی طبقات الاطباء، لابن ابی اصیبعہ ج ۱ ص ۱۸۷

نجوم پسندی علوم حکمیہ میں سے مامون کو ہندسہ اور نجوم سے بہت زیادہ دلچسپی تھی، ان سے اس کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جو شخص پوری اصول اقلیدس (تیرہ مقالے) پڑھے ہوئے نہ ہوتا وہ اسے مہندس ہی نہیں سمجھتا تھا، اس کی عبا کی آستین پر مقالۂ اولیٰ کی شکل پنجم کا طغرا بنا ہوا تھا، اسی وجہ سے یہ "شکل مامونی" کہلاتی ہے،

اس کی اس نجوم پسندی میں اس کی ابتدائی تربیت کو بھی دخل تھا جو "ایرانی اخوال" کے درمیان ہوئی تھی، نجوم پسندی ایرانیوں کے قومی مزاج میں رچی ہوئی تھی اور انھیں سے یہ اثر مامون میں آیا، پھر خلیفہ ہونے کے بعد بھی وہ فضل بن سہل وغیرہ ایرانی وزرا، و امرا کے زیر اثر رہا، فضل بن سہل کا خاندان نجوم و ہیئت میں شغف کے لیے مشہور تھا، عوفی نے جوامع الحکایات میں فضل کے بھائی حسن ابن سہل کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سفر میں بھی ہمیشہ اصطرلاب ساتھ رکھتا تھا، ان لوگوں کے اثر سے نجوم پسندی مامون کے مزاج میں بھی راسخ ہوگئی تھی، مسعودی لکھتا ہے:-

فکان فی بدء امرہ لما غلب الفضل	ابتدا میں جبکہ وہ فضل بن سہل وغیرہ کے اثر میں
بن سھل وغیرہ یستعمل النظر	تھا، تو احکام نجوم میں غور و فکر کرتا تھا اور
فی احکام النجوم وقضایاھا وینقاد	ان کی پیشین گوئیوں کا متبع اور اس
الی موجباتھا ویذھب مذاھب	باب میں قدیم ساسانی بادشاہوں کا
من سلف من ملوک ساسان[2]	پیرو تھا۔

چنانچہ عمر بن الفرخان الطبری جو یحییٰ بن خالد برمکی کے متوسلین میں سے تھا، اور اس کے زوال کے بعد فضل بن سہل کی سرکار سے وابستہ ہو گیا تھا، اس نے اس کو مامون کے یہاں باریاب کرایا اور اس نے خلیفہ کے لیے نجوم وغیرہ میں بہت سی کتابیں تالیف کیں[3]۔

---

[1] اخبار العلماء باخبار الحکماء، ص ۲۸۸ [2] مروج الذہب ومعادن الجواہر برحاشیہ کامل ابن الاثیر ج ۱۰ ص ۵۲، [3] اخبار العلماء باخبار الحکماء، ص ۱۶۲

رصد گاہ کا قیام نجوم سے اس غیر معمولی دلچسپی کا نتیجہ یہ تھا کہ اس نے یونانی حکماء (بطلیموس وغیرہ) کی رصد گاہوں کے طرز پر رصد گاہ قائم کرائی۔ قاضی صاعد اندلسی نے لکھا ہے:-

ولما افضت الخلافة الی عبد اللہ	جب خلافت ابو عبد اللہ المامون کو پہنچی تو....
المامون.... ووقف علماء وقتہ	اور اس کے زمانہ کے علما، کتاب المجسطی پر مطلع ہوئے
علی کتاب المجسطی وفھموا صورة الآلات	اور اس میں مذکور آلات رصد کی کیفیت سے
الرصد الموصوفة فیہ......	واقف ہوئے..... تو اس نے علمائے عصر کو جمع کیا
جمع علماء عصرہ..... وامرھم	....اور انھیں حکم دیا کہ وہ بھی ایسے ہی آلات
ان یصنعوا مثل تلک الادوات	تیار کریں اور ان سے اجرام فلکی کی سیر و گردش
ان یقیسوا بھا الکواکب ویتعرفوا	کا حال دریافت کریں جس طرح بطلیموس اور
احوالھا کما صنعہ بطلیموس ومن کان	اس کے پیشروؤں نے کیا تھا۔ انھوں نے اس
قبلہ ففعلوا ذلک. وتولوا الرصد	حکم کی تعمیل کی اور ۲۱۴ھ میں شماسیہ دمشق
بمدینة الشماسیة من بلاد دمشق	(شام) میں رصد گاہ قائم کی اور سال شمسی کی
من ارض الشام سنة اربع عشرة	کی مدت، آفتاب کے میل کلی اور (Ecclipticity)
ومائتین. فوقفوا علی زمن سنة	اور اس کے خروج مرکز (Eccentricity)
الشمس الرصدیة ومقدار میلھا	اور اس کے نقطۂ اوج (Apogee)
وخروج مرکزھا، وموضع اوجھا	کو متعین کیا، نیز سیارات و ثوابت کے دیگر احوال
وعرفوا مع ذلک بعض احوال باقی	دریافت کیے لیکن ۲۱۸ھ میں خلیفہ مامون الرشید
الکواکب من السیارة والثابتة	کی وفات نے ان کے مقصد کی تکمیل میں خلل ڈالا[1]
ثم قطع بھم عن استیفاء غرضھم	اور جن دریافتوں تک ان کی رسائی ہوئی تھی

موت الخليفة المامون فی سنة ثمان عشرة ومأتين. فقيدوا ما انتهوا اليه وسموه الرصد المامونی[1]

ان کو انھوں نے قلمبند کر لیا، اور اس کا نام رصد مامونی (زیج مامونی) رکھا۔

اسی طرح ابن القفطی یحیی بن ابی منصور کے تذکرے میں لکھتا ہے :-

ولما عزم المامون علی رصد الکواکب تقدم الی یحیی هذا والی جماعة تورد اسمائهم فی حروفهم وامرهم بالرصد واصلاح آلاته ففعلوا ذلک بالشماسية ببغداد وجبل قاسيون بدمشق وذلک فی سنة خمس عشرة وست عشرة وسبع عشرة ومأتين وبطل الامر بموت المامون فی شهور سنة ثمانی عشرة ومأتين[2]

جب مامون الرشید نے ارصاد کواکب (فلکیاتی مشاہدات) کرانے کا ارادہ کیا تو یحیی بن ابی منصور اور دوسرے لوگوں کو جن کے نام انکے حروف میں آئیں گے، بلایا، اور انھیں رصد بندی نیز آلات رصد کی اصلاح کا حکم دیا، انھوں نے یہ کام دو جگہ انجام دیا شماسیۂ بغداد اور دمشق کے جبل قاسیون پر۔ یہ ۲۱۵ھ، ۲۱۶ھ اور ۲۱۷ھ کا واقعہ ہے، مگر رصد و ارصاد کا سارا کام ۲۱۸ھ میں مامون کی وفات سے درہم برہم ہوگیا۔

ابن القفطی اور قاضی صاعد نے رصدگاہ مامونی کو عہد اسلام کی پہلی رصدگاہ بتایا ہے، مگر ابن یونس نے "زیج حاکمی" میں تصریح کی ہے کہ اس سے پہلے جندی سابور میں ہارون الرشید کے عہد میں احمد بن محمد النہاوندی نے فلکی مشاہدات کیے تھے[3]، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ سرکاری سرپرستی میں پہلی رصدگاہ، رصدگاہ مامونی تھی۔

آلات رصدگاہ کی اصلاح | اگرچہ رصدگاہ مامونی کے آلات، جیسا کہ قاضی صاعد نے لکھا ہے، اسی قسم کے تھے جیسے کہ بطلیموس وغیرہ یونانی ہیئت دانوں نے استعمال کیے تھے، مگر صحت و عمدگی میں ان سے بدرجہا

[1] طبقات الامم ص ۷۹-۸۰ [2] اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۷۹-۸۰ [3] زیج ابن یونس ص ۱۴۱

فائق تھے، چنانچہ ابن الندیم "الکلام علی الآلات وصناعها" کے عنوان سے لکھتا ہے :-

کانت الآلات تعمل بمدينة حران وهی ثم تشتت وظهرت وکثر صناعها واتسع للصناع العمل فی الدولة العباسية منذ ايام المامون الی وقتنا هذا۔ فان المامون لما اراد الرصد تقدم الی ابن خلف المروروذی فعمل له ذات الحلق وهی بينها عند بعض علماء بلدنا وهذا وقد عمل المروروذی الاسطرلاب[1]

آلات رصد شہر حران میں تیار ہوتے تھے، وہیں سے دوسرے مقامات میں پھیلے اور مشہور ہوئے، لیکن عباسی حکومت میں مامون کے زمانہ سے وہ زیادہ تیار ہونے لگے اور کاریگروں نے ان میں نئی نئی اختراعیں کیں، کیونکہ جب مامون نے رصدگاہ قائم کرنے کا ارادہ کیا تو خلف المروروذی کو بلایا، اس نے اسکے (مامون کے) واسطے ذات الحلق تیار کیا اور وہ ہمارے شہر کے بعض علماء کے پاس ہے، مروروذی نے اصطرلاب بھی بنایا تھا۔

ایک یورپین مورخ علم الہیئت رصدگاہ مامونی کے آلات کی خوبی و نفاست کے بارے میں لکھتا ہے :-

"Another (observatory) on a more magnificent scale was built at Baghad in 829 by The Caliph Al-Mamun. The instruments used were superior both in size and workmanship to those of The Greeks, Though substantially of The same Type." (Berry. A short History of Astronomy, P. 78)

ایک دوسرا شاندار رصدخانہ بغداد میں ۸۲۹ء میں خلیفہ المامون نے بنوایا، اس میں جو آلات استعمال کیے گئے تھے،

[1] الفہرست ص ۳۹۶

وہ اپنے حجم اور صناعی کے اعتبار سے یونانیوں کے آلات سے بہتر تھے، اگرچہ ان کی نوعیت ایک تھی"۔

آلات رصد کی تیاری میں خلف المروروذی کا شاگرد رشید علی بن عیسیٰ الاصطرلابی تھا، غالباً پیرانہ سالی کی وجہ سے خود رصدگاہ کے قیام میں حصہ نہیں لے سکتا تھا، اس لیے اس نے اپنے شاگرد رشید (علی بن عیسیٰ الاصطرلابی) کی اس کام کے لیے سفارش کی تھی، موخر الذکر نے محیط ارضی کی پیمائش میں بھی حصہ لیا تھا۔

مشہور منجمین | رصدگاہ مامونی کے متولیوں میں چار شخص مشہور ہیں: یحییٰ بن ابی منصور، خالد بن عبدالملک المروزی، سند بن علی اور عباس بن سعید الجوہری، ان میں سے ہر شخص نے ایک زیچ مرتب کی تھی، جو اس کے نام سے مشہور ہے، قاضی صاعد اندلسی نے لکھا ہے،

والذی تولی ذلک (الرصد) یحییٰ بن ابی منصور کبیر المنجمین فی عصرہ وخالد بن عبد الملک المروزی وسند بن علی والعباس بن سعید الجوهری والف کل واحد منهم فی ذلک زیجاً منسوباً الیه موجوداً فی ایدی الناس الی الیوم"[1]

اسی طرح رصدگاہ بغداد (رصد مامونی) کے ان کارکنوں میں جنھوں نے آفتاب کے میل کلی کو دریافت کیا تھا، ابن یونس یحییٰ بن ابی منصور، سند بن علی اور الجوہر کا ذکر خاص طور سے کرتا ہے:۔

وجد المیل ببغداد کج لج (۲۳ - ۳۳) وقد حضر هذا الرصد جماعة منهم یحییٰ بن ابی منصور والعباس بن سعید الجوهری وسند بن علی وغیرهم"[2]

یحییٰ بن ابی منصور مرو کے ایک علمی خاندان کا فرد فرید تھا، جس میں علم و فضل کا چرچا کئی پشت تک جاری رہا، ثعالبی نے یتیمۃ الدہر میں اس خاندان کے علماء و فضلاء کے لیے ایک مستقل باب قائم کیا ہے، ابن خلکان لکھتا ہے،

وهم اهل بیت فیهم جماعة من الفضلاء	یہ ایک بڑا خاندان تھا جس میں فضلا اور ادباء

[1] طبقات الامم ص ۸۰ [2] زیچ ابن یونس

والادباء والشعراء وجالسوا	شعراء کی بڑی تعداد پیدا ہوئی تھی، وہ خلفاء
الخلفاء ونادموهم وقد عقد لهم	کے جلیس و ندیم رہے تھے، چنانچہ ثعالبی نے
الثعالبی فی کتاب الیتیمة باباً مستقلا	یتیمۃ الدہر میں ایک مستقل باب اس خاندان
وذکر فیه جماعة منهم[1]	کے فضلاء پر باندھا ہے۔

اس کا باپ ابی منصور مجوسی ہونے کے باوجود ابوجعفر منصور کے یہاں منجم تھا، خود یحییٰ مرو کے ہیئت دانوں میں نمایاں شخصیت رکھتا تھا اور وہاں کی عوامی رصدگاہ کا متولی رہا تھا، جہاں اس کی سرکردگی میں انھوں نے آفتاب کے میل کلی کو دریافت کیا تھا، البیرونی "قانون مسعودی" میں لکھتا ہے:۔

"فرصدها یحییٰ بن ابی منصور ..... وانتهاء رصد حکته المرء اوزه. یمکن ان یکون یحییٰ تولاه اذ کان من هناک" (جلد اول ص ۳۶۳)

مرو میں عرصہ تک یحییٰ فضل بن سہل ذی الریاستین کا مقرب بارگاہ اور معتمد علیہ نجومی رہا، اس کی شکست و زوال کے بعد مامون کا منجم خاص بن گیا، اور اسی کی ترغیب سے اس کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا[2]، جب مامون نے بغداد میں رصدگاہ قائم کی تو یہ کام اس کے سپرد کیا، اسی لیے رصدگاہ مامونی کی کارگذاریاں اس کی طرف منسوب ہیں، بیہقی اس کے بارے میں لکھتا ہے: صاحب الرصد فی ایام المامون[3]۔ اسی طرح ابن القفطی لکھتا ہے:۔

یحییٰ بن ابی منصور المنجم المامونی	یحییٰ بن ابی منصور عہد مامونی کا ہیئت داں تھا،
رجل فاضل فی هذا الشان کبیر	وہ اس فن میں بڑا قابل اور مشہور و معروف تھا،
القدر اخذ له مکین المکان اتصل	صاحب عزت و وجاہت تھا، مامون الرشید کے یہاں
بالمامون امیر المومنین وتقدم	باریاب ہوا، اور گردش کواکب کے حساب میں
عنده بصناعة النجوم وتسییر	سرآمد فضلائے روزگار شمار کیا جاتا تھا، جب

[1] وفیات الاعیان جلد ثانی ص ۹۴ [2] تتمہ صوان الحکمۃ

الکواکب ولما عزم المامون علی رصد	جب مامون الرشید نے رصد کواکب کا
الکواکب تقدم الی یحییٰ هذا	ارادہ کیا تو اسی یحییٰ کو اس کام کا
(اخبار العلماء ص ۲۳۴)	متولی بنایا:

جس سال مامون الرشید طرطوس گیا تھا (۲۱۵ھ) یحییٰ بھی اس کے ہمراہ تھا، مگر حلب میں اس کی وفات ہوگئی، اور اپنی جلالت شان کی وجہ سے قریش کے قبرستان میں دفن ہوا۔[۱]

یحییٰ بن ابی منصور کی تصانیف میں ابن الندیم نے "الزیج الممتحن" (جس کے دو نسخے تھے) کے علاوہ "مقالۃ فی عمل ارتفاع سدس ساعۃ لعرض مدینۃ السلام" اور ایک دوسری کتاب جو اس کے فلکیاتی مشاہدات پر مشتمل تھی بتایا ہے، ان کے علاوہ اس نے مختلف لوگوں کو فلکیاتی مشاہدات پر رسائل بھی لکھے تھے۔[۲]

یحییٰ بن ابی منصور کی ہیئتی کارگذاریوں کا ذکر رصدگاہ مامونی کی دریافتوں" کے سلسلے میں آگے آئے گا۔

خالد بن عبد الملک المروزی۔ یہ دمشق کی رصدگاہ مامونی کا جو جبل قاسیون پر قائم کی گئی تھی، متولی تھا،[۳] اور اس نے ۲۰۰ یزدجرد (مطابق ۲۱۷ھ) میں سند بن علی کی نگرانی میں اعتدال خریفی کا وقت دریافت کیا تھا،[۴] اسی طرح اس نے سند بن علی اور عباس بن سعید الجوہری کی معیت میں "قلب الاسد" ستارے کا طول وعرض بھی دریافت کیا تھا، جو حسب روایت ابن یونس "برج اسد ۱۳۱ - ۲۴ - ۱۰" اور ۱۰ شمالی تھا،[۵]

البیرونی کا بیان ہے کہ خالد بن عبد الملک اس جماعت میں بھی تھا جس نے مامون الرشید کے حکم سے مضافات موصل کے صحرائے سنجار میں محیط ارضی کی پیمائش کی تھی[۶] خالد بن عبد الملک نے رصد گاہ دمشقی میں ۲۱۷ھ میں سند بن علی اور علی بن عیسیٰ الاصطرلابی کے ہمراہ میل کلی، تعدیل شمس، اوج آفتاب اور اسکی سالانہ حرکت بھی دریافت کی تھی۔[۷]

عباس بن سعید الجوہری۔ یہ اپنے وقت میں منجمین بغداد کا رئیس و پیشوا تھا، جب سند بن علی ماہرین ہیئت کی تلاش میں نکلا تو اسے بتایا گیا کہ ان کا اجتماع عباس بن سعید الجوہری کے مکان پر ہوا کرتا ہے۔

[۱] وفیات الاعیان جلد ثانی ص ۱۹۴ [۲] الفہرست ص ۳۹۴ [۳] اخبار العلماء، اخبار الحکماء ص ۱۰۵ [۴] زیج ابن یونس ص ۱۳۱ [۵] ایضاً ص ۱۰۵ [۶] تحدید نہایات الاماکن نیز کتاب التفہیم (فارسی) ص ۱۶۰ [۷] زیج ابن یونس ص ۱۴۱

چنانچہ ابن الدایہ نے خود سند بن علی سے یہ روایت کی ہے کہ

وسألت هل للمهندسين و	میں نے پوچھا کیا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں مہندسین
الحساب موضع یجتمعون فیه؟	اور حساب داں جمع ہوتے ہوں تو مجھے بتایا گیا
فقیل لی لهم مجلس فی دار العباس	کہ ان کا اجتماع عباس بن سعید الجوہری کے
بن سعید الجوهری ترب المامون	مکان پر ہوتا ہے، جس میں ہیئت و ہندسہ کے
یجتمع فیه وجوه العلماء بالهیئة	مشاہیر فضلاء شریک ہوتے ہیں، جب میں
والهندسة فحضرته فرأیت	وہاں حاضر ہوا تو میں نے تمام حاضرین مجلس
جمیع من حضر مشائخ ولم یکن	کو عمر رسیدہ اور بوڑھا پایا، ان میں میرے سوا
فیه حدث غیری لانی کنت فی	کوئی نوعمر نہ تھا، کیونکہ اس وقت میں
العشرین سنة[۱]	بیسویں برس میں تھا،

ابن الندیم بھی لکھتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے "اصحاب ارصاد" (فلکیاتی مشاہدات کرنے والوں میں) تھا[۲]

ابن القفطی لکھتا ہے:۔

العباس بن سعید الجوهری	عباس بن سعید جوہری ہیئت داں تھا، اور
المنجم خبیر بصناعة التسییر	کواکب کی سیر و گردش کے فن سے واقف، نیز
وحساب الفلك قیم بعمل الآلات	فلکیاتی حساب میں ماہر، آلات رصدیہ کے
الرصدیة صاحب المامون وندبه	بنانے میں کمال رکھتا تھا، مامون کا ملازم
الی مباشرة الرصد فی جملة	بارگاہ تھا، اس نے اسے دیگر ماہرین فن کے
الجماعة المتولیین لذلك بالشماسیة	ساتھ شماسیہ بغداد کی رصد گاہ میں حصہ

[۱] حسن العقبی لابن الدایہ ص ۲۰۲ [۲] الفہرست ص ۳۷۹

ببغداد وحقق مواضع بعض الكواكب السيارة والنيرين وعمل على ذالك زيجا مشهورا مذكورا عند اهل هذا الشان[1]

لینے پر مامور کیا تھا، چنانچہ اس نے (عباس بن سعید الجوہری نے) وہاں کواکب، سیارہ اور آفتاب و ماہتاب کے مواضع کی تحقیق کی اور اس سلسلے میں اپنی مشہور زیج تیار کی جو اس فن کے ماہرین میں متداول ہے۔

الجوہری ہیئت سے زیادہ ہندسہ میں کمال رکھتا تھا، اصول اقلیدس کی شرح و اصلاح کے علاوہ اس نے خطوط متوازی کے مصادرہ کا ثبوت بھی دیا تھا۔

سند بن علی۔ یہ ان عباقرۂ روزگار میں سے تھا جنھوں نے کسی استاد کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیے ہوئے بغیر المجسطی کو خود سے حل کیا تھا، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اصول اقلیدس سے فارغ ہونے کے بعد میں نے المجسطی پڑھنا چاہی اور اپنے باپ سے اس کی فرمائش کی مگر وہ ٹالتا رہا۔ ایک دن میں نے اس کا خچر بازار میں لیجا کر چپکے سے بیچ دیا، اور اس سے جو قیمت حاصل ہوئی اس میں سے بیس دینار میں کتاب المجسطی خرید کر اپنے کمرہ میں بند ہو گیا، جہاں میری ماں مجھے کھانا پانی پہنچا دیا کرتی تھی، پھر لکھتا ہے:

قال سند واقمت ثلاث سنين كيوم واحد لا يرى لي ابي صورة وقد عملت اشكالا مستصعبة وضعتها في كمي[2]

سند بن علی لکھتا ہے کہ میں نے اس حجرے میں تین سال ایک دن کی طرح گزارے۔ اس عرصہ میں میرے باپ نے میری صورت تک نہیں دیکھی۔ اور میں نے مجسطی کی بعض بڑی مشکل اشکال کو حل کیا۔ اور اسے اپنے آستین میں رکھ کر باہر نکلا،

اس کے بعد میں عباس بن سعید الجوہری کے پاس پہنچا، اس نے ان مشکل مسائل میں میرا امتحان لیا،

۱ اخبار العلماء با خبار الحکماء ص ۱۴۸، ۲ حسن العقبی ص ۱۴۲

اور میرے جوابات سے مطمئن ہو کر اس نے پوچھا، تم نے کس سے پڑھا ہے۔ میں نے کہا میں نے خود اپنی طبیعت سے انھیں حل کیا ہے، اور آستین سے وہ اوراق نکال کر دکھائے۔ انھیں دیکھ کر اس کو شبہ ہوا کہ میں نے اس کی دریافتوں کا سرقہ کیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب المجسطی کا بستہ منگا کر دیکھا تو وہ اسی طرح سر بمہر تھا، اس سے اس کو اطمینان ہو گیا، اور اس نے اپنی دریافتوں سے میرے حلوں کا مقابلہ کرنا شروع کیا تو سوائے زبان کی خوبی کے نفس فنی مسائل میں کوئی فرق نہ پایا۔ یہ دیکھ کر وہ مجھ سے اس قدر خوش ہوا کہ مجھ کو نیا لباس پہنا کر مامون الرشید کے یہاں لے گیا اور اس کی خدمت میں باریاب کرایا۔[1]

سند بن علی کے فضل و کمال کے بارے میں ابن القفطی لکھتا ہے:-

منجم فاضل خبير بتسيير النجوم وعمل آلات الارصاد والاصطرلاب .... ندبه المامون الى اصلاح آلات الرصد وان يرصد بالشماسية ببغداد ففعل ذالك وامتحن مواضع الكواكب .... وجعله المامون ممتحنا للارصاد لما تقدم بعلمها ثقة ببصره۔"

(اخبار العلماء، ص ۱۴۰-۱۴۱)

کواکب کی سیر و گردش کے علم اور آلات رصد اور اصطرلاب کی تیاری سے خوب واقف ہے، مامون الرشید نے اس کو آلات رصدیہ کی اصلاح اور بغداد کی رصدگاہ شماسیہ میں مشاہدات فلکی کرنے کے واسطے بلایا، چنانچہ اس نے یہ کام انجام دیا اور مواضع کواکب کی جانچ کی.... اس کی حذاقت فنی پر اعتماد کی بنا پر مامون نے پچھلے مشاہدات کی جانچ اور امتحان کے لیے اسے مقرر کیا،

سند بن علی کی زیج ابن القفطی کے زمانہ تک اس فن کے فضلاء میں متداول تھی، اس نے آفتاب کے میل کلی کو بالاستقلال بھی دریافت کیا تھا، اور بقول البیرونی اس کے حساب سے یہ ۲۳ - ۳۳ - ۵۲ تھا،[2] ۲۱۲ سنہ یزدجرد

۱ حسن العقبی ص ۱۴۳، ۲ قانون مسعودی ج ۱ ص ۳۶۳

(مطابق ۲۲۳ھ) میں اس نے خالد المروزی اور علی بن عیسیٰ الاصطرلابی کے ساتھ مل کر فصل ربیع اور فصل گرما کی مدت بھی دریافت کی تھی، جو بالترتیب ۹۳ دن ۴۵ گھڑی ۳۵ دقیقہ اور ۹۳ دن ۹۰ گھڑی اور ۲۰ دقیقہ تھی۔[1]

اس عہد کے دوسرے ہیئت دانوں میں علی بن عیسیٰ الاصطرلابی، احمد بن بختری اور حبش الحاسب زیادہ مشہور ہیں، پہلے دو محیط ارضی کی پیمائش میں شریک تھے، حبش الحاسب کا ذکر آگے آئے گا، لیکن ان سب سے زیادہ مشہور محمد بن موسیٰ الخوارزمی ہے، جو "الجبر والمقابلہ" کا موجد ہے، اس کے علاوہ اس مستقل ہیئتی نظام کا بانی ہے جو "السند ہند الصغیر" کے نام سے موسوم اور اسلامی ہیئت کی اصل ہے، قاضی صاعد اندلسی نے برہم سدھانت کے ترجمہ کے بعد لکھا ہے:-

فکان اهل ذالک الزمان یعملون به (السند هند الکبیر) الی ایام الخلیفة (المامون) فاختصره له ابو جعفر بن موسیٰ الخوارزمی وعمل منه زیجه المشهور ببلاد الاسلام وعول فیه علی اوساط السند هند وخالفه فی التعادیل والمیل فجعل تعادیله علی مذاهب الفرس ومیل الشمس فیه علی مذاهب بطلیموس واخترع فیه من انواع التقریب ابواباً حسنة[2]

اس زمانہ کے لوگ خلیفہ مامون الرشید کے عہد خلافت تک اسی (السند ہند الکبیر) کے مطابق عمل کرتے تھے، اس کے بعد ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے اسے مامون الرشید کے لیے مختصر کیا اور اپنی زیج تیار کی جو عالم اسلام میں مشہور ہے، جہاں تک اوساط کواکب کا تعلق ہے اس نے اس میں "سدھانت" پر اعتماد کیا ہے، مگر تعدیل اور میل کلی کے باب میں اختلاف کیا ہے، اس نے اس کی تعدیلات "تو ایرانیوں کے مذاہب (زیج شہریار) کے مطابق رکھیں، اور میل کلی کے باب میں المجسطی کا اتباع کیا اس کے علاوہ انواع تقریب کے بہت سے ابواب کا اختراع کیا۔

[1] قانون مسعودی جلد ثانی ص ۶۵۳ [2] طبقات الامم ص ۷۸-۷۹

ابن القفطی لکھتا ہے:-

فاستحسنه اهل ذالک الزمان من اصحاب السند هند وطاروا به فی الآفاق ومازال نافعاً عند اهل العنایة بالتعدیل الی زماننا هذا[1]

اس زمانہ میں جو لوگ سدھانت کے ہیئتی نظام کے پیرو تھے، انھوں نے اسے (خوارزمی کی زیج کو) بہت زیادہ پسند کیا، اور اقصائے عالم میں اس کو شہرت دی۔ عمل تعدیل کے ساتھ اعتناء کرنے والوں میں یہ زیج ہمارے زمانہ تک مفید ثابت رہی ہے۔

الخوارزمی نے اپنی زیج کے دو نسخے مرتب کیے تھے، (زیج اول اور زیج ثانی)۔ "زیج خوارزمی" کی شہرت و مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بعد کے ہیئت دانوں نے اس کی شرحیں لکھیں، چنانچہ البیرونی نے ابو العباس فرغانی کی "تعلیل زیج خوارزمی" اور محمد بن عبد العزیز الہاشمی کی "تعلیل لزیج الخوارزمی" کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ اس نے اس کتاب کی شرح وتفسیر میں خود بھی تین کتابیں لکھی تھیں؛

(۱) المسائل المفیدہ :- زیج خوارزمی کے مسائل کے دلائل۔

(۲) ابطال البہتان بایراد البرہان :- ابو طلحہ نے زیج خوارزمی پر جو اعتراضات کیے تھے، ان کا جواب۔

(۳) ابو الحسن الاہوازی نے خوارزمی پر جو اعتراضات کیے تھے، ان پر محاکمہ۔

"زیج خوارزمی" مشرق کے علاوہ مغرب میں بھی مقبول ہوئی، اور ایڈی لارڈ آف ہاتھ نے اس کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔

زیج کے علاوہ خوارزمی نے اور کتابیں بھی تصنیف کی تھیں، جیسے کتاب الاصطرلاب، کتاب الرخامہ، "الجبر والمقابلہ" کے علاوہ جس کا وہ موجد ہے، اس نے جغرافیہ پر بھی ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام "صورۃ الارض" تھا،

[1] اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۷۸،

غالباً اسی کا دوسرا نام "رسم الربع المعمور" تھا، ایک مختصر رسالہ یہودیوں کے تیوہاروں کا وقت دریافت کرنے پر لکھا تھا، جسے دائرۃ المعارف حیدرآباد نے "رسالہ فی استخراج تاریخ الیہود" کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

علم الانواء عربوں کے دیسی نجوم "علم الانواء" کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے، مگر اسلام کی توحید میں ستارہ پرستانہ اندازِ فکر کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی نیز دوسری اقوام (ہندی و یونانی) کے ہیئتی حسابات کے داخلہ کے بعد جو اس سے کہیں زیادہ منظم اور سائنٹفک تھے۔ اس کی افادیت بھی گھٹتے گھٹتے بمنزلہ صفر رہ گئی تھی، اس لیے علم الانواء اب ایک ایجابی علم و فن کے بجائے محض عہدِ ماضی (عرب جاہلیۃ) کی ایک یادگار بن کر رہ گیا تھا، اور اس حیثیت سے ادبائے وقت کی لسانیاتی تحقیقات کا ایک موضوع تھا،

اس موضوع پر لکھنے والوں میں سے جن کا تذکرہ تاریخ نے محفوظ رکھا ہے، قدیم ترین مؤرخ السدوسی (المتوفی ۱۹۵ھ) نضر بن شمیل (المتوفی ۲۰۳ھ) قطرب النحوی (المتوفی ۲۰۶ھ) ہیں جو قبل ماموئی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

زیرِ نظر دور میں بھی "علم الانواء" پر متعدد کتابیں لکھی گئیں مگر عہدِ ماسبق کی طرح ان کی نوعیت بھی ادبی تھی فنی نہ تھی، اور ان کے لکھنے والے بھی طبقۂ ادباء سے تعلق رکھتے تھے، مشاہیر انوا نویسوں میں ابن الندیم نے ابن کناسہ (المتوفی ۲۰۷ھ)، الاصمعی (المتوفی ۲۱۳ھ) اور ابن الاعرابی (المتوفی ۲۳۱ھ) کے نام لکھے ہیں۔

(باقی)

المامون

خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہدِ سلطنت کے حالات، مولانا شبلی مرحوم کی یہ پہلی تصنیف ہے جس میں ممدوح نے تاریخ اسلام کے پرفخر عہد کے سیاسی، علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی حالات قلمبند کیے ہیں، جن سے دولت عباسیہ کے عروج و کمال کے زمانہ کا مرقع آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ ضخامت ۲۴۶ صفحے، قیمت ہے ۱۲

منیجر

ابوحیان توحیدی

از جناب مولوی شاہ محمد شبیر عطا صاحب ندوی

ابوحیان توحیدی تاریخ اسلام کا ایک نامور دانشور تھا، یاقوت حموی لکھتا ہے:-

شیخ الصوفیۃ وفیلسوف الادباء	بزم صوفیہ کا صدر نشین، طبقۂ ادباء کا فلسفی
وادیب الفلاسفۃ ومحقق اھل	اور گروہ فلاسفہ کا ادیب، فرقۂ معتزلہ کا دانشور
الکلام ومتکلم المحققین وامام	اور نکتہ رسوں کا گل سرسبد، اہل زبان کا پیشوا،
البلغاء فرد الدنیا الذی لا	یگانۂ روزگار، جس کی ذہانت اور فطانت،
نظیر لہ ذکاء وفطنۃ وفصاحۃ	زبان دانی اور قادر الکلامی میں کسی کو
ومکانۃ......[1]	کلام نہیں......

وطن ابوحیان توحیدی کے وطن کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، یاقوت کا خیال ہے کہ وہ شیراز کا رہنے والا تھا، طاش کبری زادہ بھی اسے شیرازی سمجھتا ہے، اور امام ابن حجر عسقلانی کی بھی یہی رائے ہے، لیکن خود انصاری کا بیان ہے کہ وہ نیشاپور یا واسط کا باشندہ تھا، امام ذہبی اسے فارس کے نواح کا بتاتے ہیں[2] لیکن یاقوت چونکہ سب سے پہلا مورخ ہے، جس نے ابوحیان توحیدی پر لکھا ہے، اس لیے اسی کا بیان قابلِ ترجیح ہے۔

---

[1] معجم الادباء ج ۵ ص ۷، [2] ایضاً ص ۵، مفتاح السعادہ ج ۱ ص ۱۸۸، لسان المیزان ج ۶ ص ۳۶۹ روضات الجنات ج ۴ ص ۲۰۵، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۵۵

سنہ ولادت | ابوحیان توحیدی ۳۱۰ھ میں پیدا ہوا، اس کے دو ثبوت ہیں:۔

۴۰۰ھ میں ابوحیان توحیدی نے قاضی ابوسہل محمد کو ایک خط لکھا ہے جس میں اس نے بتایا ہے کہ اس کی عمر اب نوے ۹۰ سال ہے۔[1]

کتاب المقابسات کا سنہ تالیف ۳۶۰ھ ہے، اس وقت ابوحیان توحیدی کی عمر پچاس سال ضرور رہی ہوگی، کیونکہ وہ خود اپنے بارہ میں لکھ رہا ہے: "وما يرجو المرء بعد الالتفات الى خمسين حجة وقلما ضاع اكثرها وتصرنى باقيها"۔[2]

اساتذہ | ابوحیان کی تعلیمی زندگی کا آغاز بغداد میں ہوا، اس نے اپنے دور کے جن نامور فضلاء اور اصحاب کمال سے اکتساب علم کیا، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:۔

ابوسعید سیرافی۔ سیرافی ایک وسیع النظر عالم تھا، وہ بیک وقت فلسفی، ادیب، فقیہ و صوفی اور متکلم کہے جانے کا مستحق ہے، اس کے علم کی شہرت سارے عالم اسلام میں تھی، اس کے اکثر زانوا اپنے خطوط میں اسے بڑے ادب سے یاد کرتے تھے، یاقوت حموی اس کے بارے میں لکھتا ہے:

افتى فى جامع الرصافة خمسين	وہ پچاس سال جامع رصافہ بغداد
سنة على مذهب ابى حنيفة	کی مسند افتاء پر فائز رہا لیکن اس طویل
فما وجد له خطأ ولا عثر له	عرصہ میں اس کا کوئی فتویٰ مسترد
على زلة[3]	نہیں ہوا،

نحو کا وہ سب سے بڑا ماہر تھا، اسی نے سیبویہ کی الکتاب کی شرح لکھی ہے، اس شرح میں نحو کے دقیق مسائل بڑے دلنشین انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔[4] سیرافی زہد و تقویٰ میں بھی یگانۂ روزگار تھا، اس کے محبوب شاگرد ابوحیان کا بیان ہے:۔

[1] معجم الادباء، جلد ۱ ص ۲۰ [2] المقابسات ص ۳۱ [3] معجم الادباء، ج ۸ ص ۱۵۰ [4] بغیة الوعاة ص ۲۲۲

كان عابداً خاشعاً له دأب	وہ بڑا عابد و زاہد تھا، اس کا دن قرآن
بالنهار من القرأة والخشوع	کی تلاوت اور خشوع میں گذرتا اور رات
وورد بالليل من القيام	نمازوں اور خضوع میں بسر ہوتی تھی، چالیس سال
والخضوع صام اربعين سنة	مسلسل روزے رکھے،
الدهر كله[1]	

ابوسعید مدائنی کا بیان ہے: "سیرافی کی محفل میں جب حشر و نشر کا تذکرہ ہوتا تو میں نے دیکھا ہے کہ اس پر ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ روتے روتے صبح کر دیتا"[2]۔ سیرافی معتزلہ کا امام بھی تھا[3]، ابوحیان توحیدی نے فلسفہ اور تصوف کے رموز سیرافی ہی سے سیکھے تھے، وہ اپنے استاد کو روئے زمین کا سب سے بڑا عالم بتاتا ہے[4]، سیرافی کا انتقال ۳۶۷ھ میں ہوا۔

(۲) **علی بن عیسیٰ الرمانی**۔ ابوحیان توحیدی کی شخصیت کی تعمیر میں الرمانی کا بڑا حصہ ہے، الرمانی معتزلی طریق فکر کا سب سے بڑا نمائندہ تھا، اسی لیے توحیدی نے خاص طور سے اس سے علم کلام پڑھا تھا، علم کلام کے ساتھ ساتھ عربیت میں بھی وہ فرد تھا، ابن خلکان کا بیان ہے: "جمع بين علم الكلام والعربية"[5]۔

اس کو دوسرے علوم و فنون میں بھی پوری دست رس حاصل تھی، نحو اور منطق سے خاص شغف تھا، وہ اکثر نحوی مسائل استقرائی طریقہ سے حل کیا کرتا تھا، امام سیوطی لکھتے ہیں "كان يمزج النحو بالمنطق"[6] لیکن نحو میں منطق کی آمیزش سے مسائل اسقدر پیچیدہ ہو جاتے کہ ابوعلی فارسی جیسے

[1] معجم الادباء ج ۸ ص ۱۷۲، [2] ایضاً ص ۱۷۳، [3] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۳۰ [4] المقابسات ص ۲۳ [5] وفیات الاعیان ج ۳ ص ۱۳۱ [6] بغیة الوعاة ص ۲۲۲

امام فن سے بھی حل ہو سکتے تھے، چنانچہ وہ اکثر کہا کرتا تھا:۔

ان کان النحو ما یقول الرمانی — اگر نحو یہی ہے جو رمانی کہتے ہیں تو ہم اس سے

فلیس معنا منہ شیٔ وان کان — بالکل ناواقف ہیں، اور اگر نحو وہ ہے جس کو

النحو ما نقولہ فلیس معہ منہ شیٔ[1] — ہم کہتے ہیں تو رمانی اس سے ناواقف ہے۔

بہرحال نحو میں الرمانی کا مرتبہ ابوعلی فارسی اور ابوسعید سیرافی سے کم نہیں ہے، خود یاقوت کو اس کا اعتراف ہے[2]۔ الرمانی کس پایہ کا عالم تھا، اس کو ابن خلکان کی زبان سے سنیے، وہ لکھتا ہے:۔

لم یر مثلہ علما بالنحو وغزارۃ — ایسا عالم بغداد کی سرزمین پھر نہ پیدا کر سکی

فی الکلام وبصرا بالمقالات — جو بیک وقت فن نحو کا امام بھی تھا علم کلام

وایضاحا للمشکل مع تالہ و — پر اسے عبور بھی تھا، مخالفین اسلام کی کتابوں

تنزہ ودین ویقین وفصاحۃ — پر بھی اسکی نظر تھی، جو دقیق علمی مسئلوں کو حل

ونقاھۃ وعفافۃ ونظافۃ[3] — کرنے پر غیر معمولی قدرت رکھتا تھا، اسکے ساتھ

دینی بصیرت، عقیدہ کی پختگی اور فقہی تبحر اور

عفت و پاکبازی میں بھی یکتا تھا،

اس نے ۳۸۴ھ میں انتقال کیا،

(۳) **قاضی ابوحامد المروروذی** ۔ ابوحامد مروروذی کا شمار چوتھی صدی کے مشاہیر فقہاء میں ہے، ابن خلکان ان کے فقہی تبحر کے بارے میں لکھتے ہیں: لا یشق غبارہ فیہ[4]۔

ابوحیان توحیدی قاضی صاحب کا مایۂ ناز شاگرد تھا، اس کی کتاب "البصائر والذخائر" زیادہ تر قاضی صاحب ہی کے افادات پر مشتمل ہے، وہ اپنے استاذ کا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے:

انہ انبل من شاھدتہ فی عمری — میں اپنی زندگی میں اس سے زیادہ وضعدار

---

[1] معجم الادباء ج ۱۴، ص ۵، [2] ایضاً ص ۷، [3] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۸، [4] ایضاً

وکان بحرا یتدفق حفظا للسیر — اور شریف آدمی نہیں دیکھا، وہ علم کا ایک

دقیاما بالاخبار واستنباطا — مواج دریا تھا، سیر اور تاریخ کا ماہر اور

للمعانی — معانی آفرینی میں کامل تھا،

۳۶۲ھ میں المروروذی کا انتقال ہوا،

(۴) **ابوبکر محمد بن علی القفال الشاشی** ۔ چوتھی صدی کے شافعی فقہاء میں قفال امتیازی حیثیت کے مالک ہیں، ابوحیان توحیدی نے فقہ شافعی کا درس انہی سے لیا تھا، نواب صدیق حسن خاں قفال کے بارے میں لکھتے ہیں: کان فقیھا محدثا اصولیا لغویا شاعرا[1]۔ ۳۶۵ھ میں انکا انتقال ہوا،

(۵) **قاضی ابوالفرج معافی بن زکریا النہروانی** ۔ امام ابن جریر طبری کے مسلک کے سب سے بڑے علم بردار اور اس کے شارح تھے، ان سے ان کو والہانہ تعلق تھا، اسی لیے علماء ان کو جریری کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ابوحیان توحیدی نے آپ سے بھی استفادہ کیا تھا، جریری وسیع النظر عالم تھے، ابن خلکان لکھتے ہیں "لہ السنۃ بسائر العلوم[2]"۔ حافظہ غضب کا پایا تھا، لوگ انھیں زندہ کتب خانہ کہا کرتے تھے[3]۔ ۳۹۰ھ میں ان کا انتقال ہوا،

(۶) **ابوزکریا یحییٰ بن عدی** ۔ چوتھی صدی کا مشہور عیسائی فلسفی ہے، وہ فلسفہ میں فارابی اور متی بن یونس کا شاگرد تھا، منطق میں بھی اس کو غیر معمولی کمال حاصل تھا، قفطی کا بیان ہے "انتھت الیہ ریاسۃ اھل المنطق فی زمانہ[4]" اس کا وقت زیادہ تر ارسطو کی کتابوں کے ترجمہ میں صرف ہوتا تھا، (جسے وہ سریانی سے عربی میں منتقل کرتا تھا) اپنے نامور استاد فارابی کی اکثر کتابوں کی تلخیص بھی اسی نے کی تھی، ابوحیان توحیدی اکثر و بیشتر اسی سے فلسفہ کے دقیق مسائل حل کرتا تھا، ۳۶۴ھ میں اس نے انتقال کیا،

---

[1] ابجد العلوم ج ۳ ص ۲۹۵، [2] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۰۰، [3] الفہرست ص ۳۲۹، [4] تاریخ الحکماء ص ۳۶۱

(۷) ابوسلیمان محمد بن طاہر بن بہرام المنطقی السجستانی

ابوحیان توحیدی کے اساتذہ میں ابوسعید سیرافی کے بعد سجستانی کی شخصیت سب سے نمایاں ہے،

اس نے ابوبشر متی بن یونس اور یحییٰ بن عدی جیسے اساتذۂ فن سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی، صوان الحکمۃ اس کی مشہور تصنیف ہے، اس مجلس میں عوام کا گذر مشکل سے ہو پاتا تھا، بغداد کے بڑے بڑے امراء اور شاہزادے اس کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے، یا صرف وہ طلبہ باریاب ہوتے جو واقعی فلسفہ کے دلدادہ ہوتے، ابوحیان توحیدی کا شمار بھی انہی طلبہ میں تھا، سجستانی کو ادب اور شاعری سے بھی دلچسپی تھی،[1] ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ سجستانی کا گھر بغداد کی سب سے بڑی اکیڈمی کہے جانے کا مستحق تھا،[2] ابوحیان توحیدی نے اپنی مشہور کتاب المقابسات میں سجستانی کے ملفوظات کا معتدبہ حصہ جمع کر دیا ہے، سجستانی کی جانشینی کا شرف بھی ابوحیان توحیدی کو حاصل ہے، ابوحیان توحیدی کا محسن اور صمصام الدولہ کا وزیر اعظم ابن سعدان بھی ابوحیان توحیدی ہی کو سجستانی کا جانشین تسلیم کرتا ہے، ۳۹۱ھ میں سجستانی نے وفات پائی۔

(۸) ابوالحسن محمد بن احمد بن اسمٰعیل بن سمعون

ابن سمعون بہت بڑے عالم تھے، ابن خلکان کا بیان ہے "کان وحید عصرہ فی الکلام علی الخواطر وحسن الوعظ وحلاوۃ الاشارۃ ولطف العبارۃ"[3] امام ابن جوزی نے انھیں الناطق بالحکمۃ کے لقب سے یاد کیا ہے،[4] ابوحیان توحیدی نے ان سے بھی استفادہ کیا تھا، ان کا انتقال ۳۸۷ھ میں ہوا،

مندرجۂ بالا اساتذہ کے علاوہ بعض اور علماء سے بھی ابوحیان نے تعلیم حاصل کی تھی، مثلاً ابومحمد جعفر الخلدی جن کے بارے میں ابن ندیم نے لکھا ہے "وہ صوفیاء کے پیشوا اور زہد و تقویٰ میں فرد تھے"۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ابوحیان توحیدی نے تصنیف و تالیف کو اپنا مشغلہ قرار دیا۔

[1] تاریخ الحکما ص ۱۸۵ [2] تاریخ الاطباء ج ۱ ص ۳۲۱ [3] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۴۹۲ [4] المنتظم ج ۷ ص ۱۹۸

ابوحیان مہلبی کے دربار میں

بنی بویہ کے وزراء میں مہلبی بڑا علم دوست وزیر تھا، اس کی کنیت ابومحمد اور حسن نام تھا، مشہور اموی جنرل مہلب بن ابی صفرہ کی نسل میں ہونے کی وجہ سے مہلبی کے نام سے مشہور ہوا، ۲۹۱ھ میں پیدا ہوا اور ۳۹۱ھ میں وفات پائی،[1] مہلبی نے ادب کا بڑا ستھرا مذاق پایا تھا، فارسی پر بھی عبور تھا، ابن مسکویہ کا بیان ہے "کان یفصح بالفارسیۃ"[2] یاقوت نے ثعالبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ مہلبی کے دربار میں ادباء و شعراء کی بڑی قدر تھی، اس نے اپنی وزارت کے چند سال دور میں برامکہ کی یاد تازہ کر دی تھی،[3] انتظامی قابلیت بھی اس میں اعلیٰ درجہ کی تھی، اس کا عہد وزارت یادگار شمار کیا جاتا ہے، ابن مسکویہ کو بھی اس کا اعتراف ہے،[4] لیکن مہلبی کی قدردانی صرف ادباء و شعراء تک محدود تھی، فلاسفہ اور متکلمین سے اس کو کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، مزاج میں تعصب بھی تھا، چنانچہ اکثر و بیشتر عباسی امراء کو سخت سزائیں دیں، وہ اپنے آقا معزالدولہ سے زیادہ شیعیت نوازی میں بدنام تھا،[5]

ابوحیان توحیدی کی تصنیفات بہت جلد علمی دنیا میں پھیل گئیں اور اس کا شمار عربی کے بلند پایہ ادیبوں میں ہونے لگا، ابوحیان کو توقع تھی کہ مہلبی کے دربار میں اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا، لیکن علم و ادب کی یہ بدقسمتی تھی کہ اس کی یہ امید پوری نہ ہوئی، اور مہلبی کے دربار میں اس کی کوئی پذیرائی نہیں ہوئی، مہلبی اگرچہ ابوحیان کے مرتبہ سے خوب واقف تھا، لیکن محض تعصب کی بناء پر ابوحیان توحیدی کو فوراً بغداد چھوڑ دینے کا حکم دیا، امام شمس الدین ذہبی اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ابوحیان توحیدی کے متعلق مشہور تھا کہ وہ "ملحد" اور "زندیق" ہے، اس لیے مسلم معاشرہ میں اس کا وجود مضر تھا،[6] لیکن امام صاحب کی یہ توجیہ محل نظر ہے۔ اصل وجہ یہ تھی کہ ابوحیان توحیدی شیعیت کا مخالف اور مہلبی اپنی شیعیت نوازی میں بدنام تھا،[7]

ابوحیان توحیدی ابن العمید کے حضور میں

مہلبی سے مایوس ہو کر ابوحیان نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، اور ایک

[1] تجارب الامم ج ۲ ص ۱۴۰ [2] معجم الادباء ج ۹ ص ۱۳۳ [3] تجارب الامم ج ۲ ص ۱۹۸ [4] ایضاً ص ۱۳۲
[5] تحفۃ الامراء ص ۳۲۱ [6] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۰۵ [7] دیکھئے الامتاع والمؤانسہ

طویل عرصہ تک گمنامی کی زندگی بسر کرتا رہا، اس زمانہ میں وزیر ابن العمید کا طوطی بول رہا تھا، اور عجم کی سرزمین کو اس پر ناز تھا، وہ عربی کا اتنا بڑا اور صاحب طرز ادیب تھا کہ اس کا اسلوب نگارش دو سو سال تک باقی رہا، فلسفہ کا بھی وہ قدردان تھا، علم کلام سے بھی اسے دلچسپی تھی، عقیدۃً مذہب اعتزال کا پیرو تھا، فنون لطیفہ، مصوری اور موسیقی کا بھی دلدادہ تھا، اس لیے اس کا دربار اہل کمال سے معمور تھا، کتابوں سے اسے عشق تھا، مشہور مورخ اور فلسفی ابن مسکویہ اس کے عظیم الشان کتبخانہ کا ناظم تھا، وہ اس کے حالات میں لکھتا ہے:۔

اوتی من الفضائل والمحاسن	اس میں اتنے فضائل و محاسن جمع تھے کہ
ما سریہ اہل زمانہ [1]	ان کو دیکھکر اس کے اہل زمانہ متحیر تھے۔

عجمی شان و شوکت کا جو سماں اس کے دربار میں نظر آتا تھا، اس کی نظیر نہیں ملتی، ایرانی تہذیب کا وہ بہت بڑا نمایندہ تھا، [2] اس کی ہیبت اور دبدبہ کا یہ حال تھا کہ جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا اس پر لرزہ طاری ہو جاتا، [3]

ابوحیان توحیدی سفر کے دشوار گذار مراحل طے کرتا ہوا ابن العمید کے پایہ تخت رے پہنچا اور دربار تک رسائی حاصل کی، اگرچہ اس کے جسم پر قلندرانہ لباس تھا، مگر مزاج میں علم کی تمکنت تھی اور خود داری کا اس کو بڑا خیال تھا، ابن العمید جیسے وزیر اعظم کو اس کی کہاں برداشت، اس نے ابوحیان کو دیکھتے ہی غرور سے اپنے کندھے جھٹکے، [4] اور بڑی حقارت سے پیش آیا، اور ابوحیان کو بے نیل مرام واپس آنا پڑا، خود ابوحیان توحیدی نے اپنے دوست ابن سعدان سے اس ملاقات کا واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ مجھ پر ابن العمید نے یہ ریمارک کیا تھا:۔

لا ہیئۃ فی لقاء الکبراء	اس کو امراء سے ملاقات کا سلیقہ اور وزراء
و محادثۃ الوزراء [5]	سے ملنے کے آداب نہیں معلوم۔

[1] تجارب الامم ج ۲ ص ۲۷۵ [2] الامتاع والموانسۃ ج ۱ ص ۵ [3] تجارب الامم ج ۲ ص ۲۷۵ [4] معجم الادباء ج ۱۵ ص ۵
[5] الامتاع ج ۱ ص ۶

ابوحیان توحیدی، صاحب ابن عباد کے در دولت پر

اسلام کی تاریخ میں جن وزراء کے کارنامے آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں، ان میں برامکہ کے بعد صاحب ابن عباد اور نظام الملک طوسی کے نام سر فہرست نظر آتے ہیں، برامکہ اور نظام الملک کا انجام سب کو معلوم ہے، لیکن صاحب ابن عباد کے دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ مرنے کے بعد بھی وہ اپنے مخدوم سے اپنی تعظیم کرا گیا، ابن خلکان کا بیان ہے،

رأیت فی اخبارہ انہ لم یسعد	عام طور سے انسان کی اقبال مندی اسکی
احد بعد وفاتہ کما کان فی	موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے، لیکن صاحب عباد
حیاتہ غیر صاحب فانہ	کی عظمت اور اقبال مندی اس کی موت کے
لما توفی اغلقت لہ مدینۃ	بعد بھی قائم رہی، اس کے انتقال کی خبر
الری واجتمع الناس علی باب	ملتے ہی پایہ تخت کے بازار بند ہو گئے، لوگوں
قصرہ ینظرون خروج جنازتہ	کا مجمع اس کے محل کے پھاٹک پر جنازے
وحضر مخدومہ فخر الدولۃ	کے انتظار میں جمع ہو گیا، خود بادشاہ وقت
وسائر القواد وقد غیروا	اور ممتاز فوجی افسران ماتمی لباس میں
لباسھم فلما خرج من الباب	محل کے باہر جنازہ کے منتظر تھے، جیسے ہی
صاح الناس باجمعھم صیحۃ	جنازہ محل سے نکلا تو حاضرین میں نالہ و ماتم
واحدۃ وقبلوا الارض و	کا ایک شور بلند ہوا، جنازے کے احترام
خرقوا عند ذالک ثیابھم	میں لوگ زمین بوس ہو گئے، اکثروں نے
ولطموا وجوھھم وبلغوا فی	شدت غم میں کپڑے تار تار کر ڈالے، گریہ
البکاء والنحیب علیہ جھدھم	زاری کا شور انتہا کو پہنچ گیا، فخر الدولہ

ومشی فخر الدولہ امام الجنازۃ — جنازہ کے جلوس میں آگے آگے تھا، اور

مع الناس وقعد للعزاء ایاما[1] — کئی دن تک سوگ منایا،

صاحب ابن عباد ابتدا میں ابن العمید کے کاتب کی حیثیت سے منظر عام پر آیا، پھر رفتہ رفتہ ترقی کرکے مؤید الدولہ کا وزیر اعظم بن گیا، اور مؤید الدولہ کے انتقال کے بعد جب فخر الدولہ اس کا جانشین ہوا تو صاحب ابن عباد اس کی سلطنت کے سیاہ وسپید کا مالک بن گیا، اسی نے معتزلہ کے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ قائم کیا، اور حکومت کے سارے وسائل اعتزال کی نشأت ثانیہ کے لیے استعمال کیے، یاقوت نے صاحب بن عباد کے بارے میں لکھا ہے،

ان اکابر القواد کانوا یحضرون	اعلیٰ فوجی افسران صاحب بن عباد کے
باب دارہ فیقفون علی دوابھم	در دولت پر حاضری دیتے تو اس کے رعب سے
طرقین لا یتکلم واحد منھم	اتنی جرأت نہیں تھی کہ آپس میں گفتگو کر سکیں،
ھیبۃ واعظاما لموضعہ الی	اپنی سواریوں پر نظریں جھکائے کھڑے
ان یخرج احد خلفاء حجابہ	رہتے تھے جب محل سے صاحب کا حاجب
فیأذن لبعض اکابرھم و	برآمد ہوتا اور جس افسر کی قسمت یاوری
یصرفھم فکان من یؤذن لہ	کرتی اسے محل میں باریاب ہونے کی اجازت
فی الدخول یظن انہ قد بلغ	مل جاتی، اور وہ سمجھتا کہ اس کی ساری امیدیں
الآمال ونال الفوز بالدنیا	پوری ہو گئیں اور اس کو دنیا و آخرت
والآخرۃ[2]	کی دولت مل گئی،

صاحب ابن عباد کے دربار میں جس قدر اہل کمال جمع ہوئے شاید ہی کسی دربار میں کبھی جمع ہوئے ہوں[3]

[1] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۵، [2] معجم الادباء ج ۲ ص ۲۷۷، [3] الصاحب پر معارف میں ایک مستقل مقالہ ہے، اسی لیے تفصیلات نہیں دے رہا ہوں،

ابوحیان توحیدی اگرچہ دوبار اور وزیروں کی بے توجہی کا مزا چکھ چکا تھا، مگر صاحب ابن عباد کے اوصاف و محاسن سن کر اسے یک گونہ عقیدت پیدا ہو گئی، اور وہ ایک بار پھر رے جانے کی تیاریاں کرنے لگا، اب اس کا عہد پیری شروع ہو چکا تھا، قویٰ مضمحل ہو گئے تھے، لیکن جوانی کی امنگ ابھی باقی تھی، چنانچہ وہ کشاں کشاں رے پہنچا، لیکن صاحب ابن عباد کی نگاہ میں نہ جچا، اس لیے یہاں بھی اس کی پذیرائی نہ ہوئی، اس ناکامی کی ایک لمبی داستان ہے،[1]

ابن حیان توحیدی ابن سعدان کے دامن میں

رے سے واپس آکر ابوحیان توحیدی نے بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، گو صاحب ابن عباد کی سرد مہری سے وہ دل شکستہ ہو چکا تھا لیکن اسی زمانہ میں اس کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہو گئی جس نے اسے زندہ رہنے کی ترغیب دی اور اس کی دلجوئی کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا، یہ فرشتۂ رحمت ابو الوفاء المہندس تھا، وہ ریاضیات کا ماہر تھا، قفطی نے اس کے بارے میں لکھا ہے: بلغ المحل الاعلیٰ فی الریاضیات[2]

ابن خلکان کا بیان ہے:-

کان احد المشاھیر فی الھندسۃ	ریاضی اور ہندسہ کا ماہر تھا، اس کا شمار
والحسابیات ولہ فیہ استخراجات	اس فن کے ممتاز لوگوں میں ہوتا ہے اس کے
غریبۃ لم یسبق الیھا[3]	بعض استخراجات بالکل اچھوتے ہیں۔

ابن ندیم کہتا ہے:-

ولہ علاوۃ کتب فی العددیات	علم الاعداد حساب اور ہیئت میں اس کی
والحسابیات والفلک[4]	تصانیف ہیں،[5]

ابو الوفاء سے ابوحیان توحیدی کی پہلی ملاقات ارجان کے سفر میں ہو چکی تھی، اسی زمانہ سے

[1] معجم الادباء ج ۱۵ ص ۲۸ [2] الامتاع ج ۱ ص ۳ [3] تاریخ الحکماء ص ۲۸۸ [4] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۰ [5] الفہرست ص ۳۹۴، ابو الوفاء کی تصانیف میں اس کی زیج جو الشامل کے نام سے مشہور ہے، کتبخانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے یہ نسخہ ۱۴۸۹ھ کا مخطوطہ ہے

دونوں میں مراسم ہو گئے تھے، دوسری ملاقات میں ابوالوفا نے محسوس کیا کہ ابوحیان توحیدی کچھ بجھا بجھا رہتا ہے، جب اس کو معلوم ہوا کہ وہ الصاحب ابن عباد کی بے مہری کا شکار ہو چکا ہے، تو اس نے اسے تسلی دی اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی امداد کا وعدہ کیا، بغداد کا عظیم شفاخانہ البیمارستان الوضدی اس زمانہ میں انتہائی رونق پر تھا، ابوالوفا نے ابوحیان توحیدی کو اس میں ایک اچھا سا عہدہ دلوادیا، صمصام الدولہ کے وزیر ابن سعدان سے ابوالوفا کے بڑے مراسم تھے، ایک دن کسی تقریب سے اس نے ابوحیان کو بھی اس کے دربار میں باریاب کرادیا، ابن سعدان کے دربار میں فلاسفہ کا بڑا عروج تھا، خود ابن سعدان کو اپنے درباری علماء پر فخر تھا، وہ کہتا تھا:

واللہ ما لھذہ الجماعۃ بالعراق	خدا کی قسم مملکت عراق میں اس جماعت
شکل ولا نظیر وانھم لاعیان	کی نظیر نہیں، یہ اہل فضل کے اعیان اور
اھل الفضل وسادۃ ذوی العقل[1]	دانشوروں کے سردار ہیں،

ابن سعدان نے ابوحیان توحیدی کی بھی قدردانی کی اور اس کو اس کی توقع سے زیادہ نوازا، ابوحیان توحیدی بھی ابن سعدان کا ہمیشہ مداح رہا[2]، یہ ابوحیان کی خوش قسمتی تھی کہ اس کو ابن سعدان جیسا قدردان وزیر اور ہم مشرب دوست مل گیا، اس کی زندگی کا سب سے بہتر دور یہی تھا، اسی زمانہ میں ابوحیان توحیدی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب الامتاع والموانسہ مرتب کی جسے اس نے ابوالوفا کے نام معنون کیا ہے، ابوالوفا کی دوستی کا صلہ وہ اس سے بہتر کیا دے سکتا تھا؟

ابوحیان توحیدی کی وفات حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابوحیان توحیدی کی وفات کا تذکرہ لسان المیزان میں کیا ہے، اس کی وفات کا یہ واقعہ بھی عجیب ہے، ابوسعید المطرز، فارس بن بکران شیرازی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ

۱؎ الصداقۃ والصدیق ص ۳۰، ۲؎ الامتاع ج ۳ ص ۲۲۳

ما احتضر ابوحیان کان بین یدیہ	ابوحیان پر جب سکرات کا عالم طاری ہوا
جماعۃ فقال اذکروا اللہ فان	تو حاضرین نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا
ھذا مقام خوف وکل یسعی لھذہ	کہ اللہ کا ذکر کرو، کیونکہ یہ وقت خدا سے ڈرنے
الساعۃ وجعلوا یذکرونہ	کا ہے، یہی وہ گھڑی ہے جس کے لیے انسان
ویعظونہ فرفع رأسہ الیھم	تیاری کرتا ہے، اور ابوحیان کے سامنے ذکر
وقال کانی اقدم علی جندی	اور تلقین کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر اس نے سر اٹھا کر
او شرطی؟ انما اقدم علی رب	ان لوگوں کی طرف دیکھا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ
غفور وقضی[1]	میں کسی فوجی یا پولیس کے آدمی کے پاس جا رہا ہوں،
	میں رب غفور کے حضور میں جا رہا ہوں،

سنہ وفات اور مدفن ابوحیان توحیدی کا انتقال ۴۱۴ھ میں ہوا، آخر عمر میں وہ شیراز چلا گیا تھا، اور وہیں اس کا مدفن بھی ہے، شیراز کے مشہور مورخ معین الدین ابوالقاسم جنید الشکری کا بیان اس بارے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے، انھوں نے اپنی کتاب ہزار مزار (شد الازار) میں ابوحیان کا سال وفات ۴۱۴ھ لکھا ہے[2]۔

ہزار مزار میں ابوحیان توحیدی کی وفات کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے:-

کان بین ابی حیان وبین شیخ الشیوخ	ابوحیان توحیدی اور شیخ المشائخ ابوالحسین
ابی الحسین[3] شئ فلما مات ابوحیان	احمد البیضاوی میں کچھ اختلاف تھا، ابوحیان توحیدی

۱؎ لسان المیزان ج ۷ ص ۳۹، ۲؎ ہزار مزار میں شیراز کے ان مشاہیر کے حالات درج ہیں جنکے مزارات شیراز میں ہیں اس کتاب کا ایک حصہ ۱۹۱۹ء میں لندن سے ڈینی سن راس نے شائع کیا ہے ۳؎ ان کا پورا نام ابوالحسن احمد الصوفی البیضاوی ہے، ابن سالبہ کے نام سے مشہور ہیں، ۴۱۵ھ میں وفات پائی

قال شیخ الشیوخ ابوالحسین رأیته فی المنام فقلت ما فعل اللہ بک قال غفر لی علی رغماتک فلما اصبح امر شیخ الشیوخ اصحابہ نحمل فی محفۃ الی قبرہ لیصلی علیہ فزارہ وامر بلوح کتب علیہ "ھذا قبر ابی حیان التوحیدی" فوضع علی قبرہ - توفی سنۃ اربعۃ عشرۃ واربع مأئۃ ودفن فی المقبرۃ المحاذیۃ للشیخ

کی وفات کے بعد شیخ المشائخ نے انکو خواب میں دیکھا، پوچھا، کہو کیا گذری، خدا نے تمھارے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ اس نے جواب دیا آپکے توقع کے خلاف پروردگار نے مجھے بخش دیا، صبح کو شیخ المشائخ نے مریدین سے یہ خواب بیان کیا، اور ہوادار پر سوار ہوکر قبرستان پہنچے اور اسکی قبر پر فاتحہ پڑھا اور ایک کتبہ لگانے کا حکم دیا جس پر مرقوم تھا کہ "یہ ابوحیان توحیدی کا مزار ہے" انھوں نے سنہ ۴۱۴ھ میں وفات پائی اور شیخ کے محاذی مقبرے میں دفن کیے گئے۔

ابوحیان توحیدی کا ایک شاگرد ابوسعد عبدالرحمٰن بن محجۃ الاصفہانی تھا، جس نے سنہ ۴۰۰ھ میں ابوحیان سے شیراز میں پڑھا تھا،[1]

ایک دوسرے شاگرد ابواسحاق بن یوسف شیرازی نے بھی سنہ ۴۱۰ھ میں شیراز میں ابوحیان سے استفادہ کیا تھا،[2]

ان دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوحیان توحیدی کا سنہ وفات سنہ ۴۱۴ھ ہے، اور اسکی آخری آرام گاہ شیراز ہے۔

(باقی)

۱؎ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۲ ۲؎ لسان المیزان ج ۶ ص ۳۷۳

پیغمبر اسلامؐ

اور

ہندوستان کے باشندے

از جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری اڈیٹر البلاغ بمبئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ ہندوستان اور ہندوستان کے لوگوں اور یہاں کی چیزوں سے اچھی طرح واقف تھے، اور متعدد مواقع پر آپ کی زبان مبارک پر اس کا ذکر آیا ہے، امام ابن ابی حاتم رازی امام ابوعبداللہ حاکم، امام ابن جریر طبری اور امام سیوطی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے:-

ان اول ما اھبط اللہ آدم الی ارض الھند، وفی لفظ بدجنی ارض الھند[1]

حضرت آدمؑ سب سے پہلے سرزمین ہند میں اتارے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ سرزمین ہند کے دکھن میں اتارے گئے،

علماء کا قول ہے کہ یہاں پر دجنی دکھن یا دکھنا کا معرب ہے، اور اس سے مراد سرندیپ ہے،

حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدم پہلے مکہ میں بیت اللہ کی جگہ پر اتارے گئے تھے، پھر یہاں سے ہندوستان گئے،

فتخطی فاذا ھو بارض الھند فمکث ھنالک ماشاء اللہ ثم استوحش الی البیت الخ[2]

آدم مکہ سے چل کر ہندوستان پہنچے اور جب تک اللہ نے چاہا وہاں رہے، پھر بیت اللہ کی طرف لوٹ آئے۔

۱؎ سبحۃ المرجان فی آثار الہندوستان از غلام علی آزاد ص ۱ طبع بمبئی ۲؎ القری لقاصد ام القری، محب الدین طبری مکی ص ۲۷ طبع مصر

مشہور تابعی عالم حضرت عطا ابن ابی رباح نے حضرت آدمؑ کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے:۔

ان آدم هبط بارض الهند ومعه اربعة اعواد من الجنة فهى هذه التى يتطيب الناس بها وانه حج هذا البيت [1]

آدم سرزمین ہند میں اتارے گئے اور ان کے ساتھ جنت کی چار شاخیں بھی تھیں جن سے لوگ خوشبو حاصل کرتے ہیں، انھوں نے وہاں سے بیت اللہ کا حج بھی کیا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں ہندوستان جانا بوجھا ملک تھا، بلکہ اس کے متعلق حضرت آدمؑ کی وجہ سے ایک گونہ احترام کا جذبہ پایا جاتا تھا، اس سے بڑھ کر اہم روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان میں جہاد کرنے کی پیشین گوئی فرماتے ہوئے اس میں شریک ہونے والوں کو نار جہنم سے مامون و محفوظ ہونے کی بشارت دی ہے، امام نسائی نے اپنی سنن میں اس حدیث کے لیے "باب غزوۃ الہند" کا مستقل عنوان قائم کیا ہے، اور امام طبرانی نے معجم میں اس کی سند کو جید بتایا ہے،

حضرت ثوبانؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عصابتان من امتى احرزهما الله من النار، عصابة تغزو الهند وعصابة تكون مع عيسى بن مريم عليهما السلام [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا ہے، ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کریگا اور دوسرا وہ گروہ جو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا ساتھ دے گا۔

اسی بشارت نبوی پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہندوستان کے جہاد میں شرکت کی آرزو اور جان و مال قربان کرنے کی پیش کش کی، چنانچہ مسند احمد اور سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

[1] القری لقاصد ام القری محب الدین طبری کی ص ۶۱ طبع مصر [2] سنن نسائی باب غزوۃ الہند

وعدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم غزوة الهند، فان ادركتها انفق فيها نفسى ومالى، فان اقتل كنت افضل الشهداء، وان ارجع فانا ابو هريرة المحرر [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے غزوۂ ہند کا وعدہ فرمایا ہے، اگر میں اس میں شریک ہو سکا تو اپنا جان و مال اس میں قربان کرونگا اور اگر مارا گیا تو بہترین شہید ہونگا اور اگر زندہ واپس ہوا تو میں نار جہنم سے آزاد ابوہریرہ ہونگا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہندوستان کے لوگوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے، بخاری میں مذکور ہے کہ حدیث معراج میں آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جاٹوں سے تشبیہ دی، ترمذی میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے جنات کو جاٹوں سے تشبیہ دی، اسی طرح سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب نجران سے بنی کعب کے لوگ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہندوستانی آدمیوں سے تشبیہ دی اور دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں، عہد رسالت میں ہندوستان کی بہت سی اشیاء کا استعمال عام تھا، ان کے نام اور خواص سے لوگ واقف تھے، کافور، زنجبیل، عود ہندی، عود، مشک، قرنفل، فلفل، ہندی کا نیزے، ہندی تلوار، ہندی کپڑے وغیرہ روزمرہ کی زندگی میں استعمال کیے جاتے تھے، اور قرآن و حدیث میں ان کے نام موجود ہیں، غرض ہندوستان، یہاں کے باشندے اور یہاں کی چیزیں اس وقت عام طور سے مشہور و متعارف تھیں، اور پڑوسی ملک ہونے کی حیثیت سے دونوں ملکوں میں مختلف قسم کے تعلقات تھے، اور اسی تعلق و تعارف نے ہندوستان میں اسلام کو بہت جلد متعارف کرایا، اور جانبین سے دینی و روحانی تعلقات بہت استوار ہو گئے،

ہندوستان کے باشندوں کی اسلام اور پیغمبر اسلام سے واقفیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کے مختلف علاقوں میں ہندوستان کے لوگ آتے جاتے تھے اور وہاں مستقل آباد بھی تھے، خود مکہ میں

[1] سنن نسائی باب غزوۃ الہند، نیز یہ دونوں روایتیں مزید تفصیل کے ساتھ سبحۃ المرجان ص ۲۱ پر موجود ہیں۔

جو کہ اس زمانہ میں بہت بڑا مذہبی اور تجارتی مرکز تھا، اور قریشی تاجروں کی وجہ سے یمن اور شام کے درمیان تجارتی کاروبار کی منڈی تھا، ہندوستان کے تاجر وہاں موجود تھے، چنانچہ ابو طالب کے ایک شعر میں ہندوستانی عورت کا نشان ملتا ہے، اور ابن مسعودؓ کی روایت میں جاٹوں کا ذکر ہے، اور بعض دوسرے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں ہندوستانی کاریگر تلواریں بناتے تھے، اور عرب کے باشندے مشرق میں ہندوستان اور چین کا تجارتی سفر کرتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان کے تاجر و صناع عرب میں آتے جاتے تھے،

ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کا چرچا ہندوستان تک ہونا یقینی تھا، خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ آپ کی بعثت نے مکہ کے قریشی تاجروں میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا، اور وہ بازاروں موسمی میلوں اور حج کے موقع میں آپ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے۔ ان مخالفانہ سرگرمیوں نے بہت سے غیر ملکوں میں آپ کی خبر پہنچائی، چنانچہ جب ایرانیوں کے بادشاہ کسریٰ کو آپ کے دعوائے نبوت کی خبر ملی تو اس نے اپنے یمن کے حاکم باذان کو آپ کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دیا، روم میں جب اس کی خبر پہنچی تو ہرقل نے قریشی تاجر ابوسفیان سے آپ کے بارے میں تحقیقات کی، اسی طرح جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تو نجاشی کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں معلومات ہوئیں، غرض مکی زندگی ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت بڑی حد تک ممالک میں عام ہو گئی تھی اسلئے یقین ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں بھی آپ کے بارے میں خبریں پہنچ چکی ہونگی، مگر مستند تاریخوں سے اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے کہ مکی زندگی ہی میں آپ کا چرچا ہندوستان میں بھی ہوا ہو، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں ظاہر ہونے والے معجزۂ شق القمر کا مشاہدہ ہندوستان میں ہوا، اور اس کے نتائج بھی ظاہر ہوئے، مگر تاریخی اعتبار سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے،

البتہ مکہ سے مدینہ کی ہجرت کے بعد جب کفار و مشرکین سے باقاعدہ جنگ شروع ہوئی اور مسلمان کھل کر دعوت اسلام کو عام کرنے لگے تو دور دراز ممالک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہو گیا، اس کے بعد ہی

ہندوستان کے بعض مذہبی طبقوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا وفد بھیجا اور بعض راجوں اور مہاراجوں نے آپ کی خدمت میں ہدیے بھیجے، اس سلسلہ میں دو واقعات زیادہ مشہور اور مستند ہیں، ایک سرندیپ کے جوگیوں اور سنیاسیوں کا اس غرض سے آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں اپنا وفد روانہ کرنا کہ آپ سے براہ راست اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرے، اور دوسرا ہندوستان کے ایک راجہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل کا ہدیہ بھیجنا، جسے آپ نے خود بھی تناول فرمایا اور صحابۂ کرام کو بھی کھلایا۔

سرندیپ کا وفد بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی چوتھی صدی ہجری کا مشہور جہازران اور سیاح ہے وہ عرب سے ہندوستان اور چین تک جہاز رانی کرتا تھا، اس نے اپنی کتاب عجائب الہند میں یہاں کے ساحلی مقامات کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، اس نے سرندیپ کے جوگیوں اور سنیاسیوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحقیقاتی وفد جانے اور اس کے اثرات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وکان اهل سرندیب ومادوالاها	سرندیپ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو جب
لما بلغهم خروج النبی صلی الله علیه وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر ملی تو
فارسلوا رجلاً فهماً منهم وامروه	انھوں نے اپنے ایک سمجھدار آدمی کو مدینہ بھیجا
ان یسیر الیه فیعرف امره وما	اور اسے حکم دیا کہ وہ آپ کے پاس جاکر آپ کے حالات
یدعو الیه فعاقت الرجل عوائق	کی اور آپ کی دینی دعوت کی تحقیق کرے، مگر اس
ووصل الی المدینة بعد ان	آدمی کے سامنے کچھ مشکلات آگئیں اور وہ اس
قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم	وقت مدینہ منورہ پہنچا جب رسول اللہ صلی اللہ
وتوفی ابوبکر، ووجد القائم	علیہ وسلم وصال فرما چکے تھے، بلکہ حضرت ابوبکرؓ
بالامر عمر بن الخطاب رضی الله عنه	بھی وفات پا چکے تھے، اور حضرت عمر بن الخطاب

فسأل عن أمر النبي صلى الله عليه وسلم فشرح له وبين

خلافت پر متمکن تھے، اس لیے آپ ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کیں، آپ نے اس سے شرح و بسط کے ساتھ تمام باتیں بیان کیں۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ یہ نمایندہ سرندیپ کے لیے بحری راستہ سے روانہ ہوا، مگر مکران کے قریب اس کی موت واقع ہوگئی، اس کے ساتھ ایک ہندوستانی نوکر تھا، وہ تنہا سرندیپ پہنچا، اس نے لوگوں سے پورا ماجرا بیان کیا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا ہے، ان کے پہلے خلیفہ ابوبکرؓ کا بھی انتقال ہو چکا ہے، اور اس وقت ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عمرؓ بن الخطاب کو صاحب حکم و امر پایا، اس نے اہل سرندیپ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تواضع اور خاکساری کا حال بیان کیا اور بتایا کہ وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، اور مسجد میں بلا تکلف سو جاتے ہیں، اس کا اثر اہل سرندیپ پر بہت اچھا پڑا،

فتواضعهم لاجل ما حكاه لهم ذلك الغلام، ولبسهم الثياب المرقعة لما ذكره من لبس عمر رضي الله عنه المرقعة ومحبتهم للمسلمين وميلهم اليهم لما في قلوبهم مما حكاه ذلك الغلام عن عمر رضي الله عنه

سرندیپ کے لوگوں کی تواضع اور فروتنی کا سبب وہی باتیں ہیں جن کو اس خادم نے بیان کیا تھا، اور ان کا پیوند لگے کپڑے پہننا اس وجہ سے ہے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا تھا کہ انھوں نے ایسا کپڑا پہنا تھا، اور ان کا مسلمانوں سے میل محبت رکھنا بھی اسی لیے ہے کہ خادم نے حضرت عمرؓ کی تواضع کا ذکر کیا تھا۔

اس وقت سے لیکر چوتھی صدی ہجری تک اہل سرندیپ اسلام اور مسلمانوں سے برابر محبت و تعلق رکھتے تھے، چنانچہ اس واقعہ کے آخر میں بزرگ بن شہریار اپنے زمانہ کی بابت لکھتا ہے:-

وهم يحبون المسلمين ويميلون اليهم ميلاً شديداً[1]

وہ لوگ مسلمانوں سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی طرف بہت ہی زیادہ مائل ہیں۔

ان واقعات سے نہ صرف سرندیپ بلکہ اس کے آس پاس کے تمام علاقوں میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں کا پھیلنا قرین قیاس ہو جاتا ہے، ہندوستان اور چین میں عربوں کی تجارت عام تھی، جہاں ان کے بحری سفر برابر ہوا کرتے تھے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت ہندوستان سے گذر کر چین تک پہنچ چکی تھی،

غالب گمان ہے کہ سرندیپ کا مذکورہ بالا وفد یہاں کے بکھور، یا بکھ بتیہ، یا بکھ جین نامی فرقہ کی طرف سے مدینہ منورہ بھیجا گیا ہوگا، یہ لوگ عام طور سے ننگے رہتے تھے، اور آگے پیچھے معمولی سا کپڑا باندھ لیتے تھے، جاڑے میں بدن پر چٹائی لپیٹ لیتے تھے، بعض رنگ برنگ کے کپڑوں کی جوڑ دار دھوتی پہنتے تھے، شمشان کی راکھ بدن پر ملتے تھے، سر اور داڑھی کے بال نہیں رکھتے تھے، مردوں کی کھوپری میں کھانا کھاتے تھے، تاکہ دنیا کی بے ثباتی کا احساس ہو، جب عرب کے تاجروں یا دوسرے ذرائع سے ان سنیاسیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر معلوم ہوئی تو انھوں نے تحقیق حال کے لیے اپنی جماعت کے ایک آدمی کو بھیجا، ان کے مسلمان ہونے کی روایت تو نہیں ملتی لیکن وہ اسلام کے بعض اثرات سے پوری طرح متاثر ہوئے، اگر ان کا آدمی صحیح و سلامت واپس جاتا اور وہ اس کے ذریعہ سے اسلامی تعلیمات کو تفصیل کے ساتھ سنتے تو آج سرندیپ اور جنوبی ہند کا دینی نقشہ غالباً کچھ اور ہی ہوتا،

ان کی اسلام سے اس عقیدت کے نتیجہ میں عرب کے مسلمان تاجر سرندیپ میں مستقل آباد ہو کر متاہل زندگی بسر کرنے لگے تھے، انھی عربوں کی عورتوں اور بچوں کو وہاں کے راجہ نے ایک جہاز میں عرب بھیجا تھا جس کو سندھ کے اطراف کے مید یعنی سمندری ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تھا، اور عرب عورتوں

---

[1] عجائب الہند ص ۱۵۷ طبع لیدن

کو گرفتار کر لیا تھا جس کے انتقام میں محمد بن قاسم ثقفیؒ نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا،

ہندوستانی راجہ کا ہدیہ

ہندوستان کے بڑے بڑے راجہ اپنے پڑوسی بادشاہوں کے پاس ہدیے بھیجکر ان سے تعلقات قائم کرتے تھے، کسریٰ کے پاس راجہ رہمی وغیرہ کے ہدایا و تحائف بھیجنے کا تذکرہ قاضی رشید بن زبیر نے کتاب الذخائر والتحف میں کیا ہے، ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت اور آپ کی تحریک عرب کے اطراف و جوانب میں ہوئی، تو ہندوستان کے مذہبی طبقہ کی طرح یہاں کے حکمراں طبقہ نے بھی ہدیہ اور تحفہ بھیجکر آپ سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا، اور آپ سے تعلقات پیدا کرنے کی صورت نکالی، چنانچہ مشہور محدث امام ابو عبداللہ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے،

اهدى ملك الهند الى رسول الله صلى الله عليه وسلم جرة فيها زنجبيل فاطعم اصحابه قطعة قطعة واطعمني منها قطعة	ہندوستان کے راجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل (سونٹھ) کا ایک گھڑا بھیجا، آپ نے صحابہ کو اس کا ایک ایک ٹکڑا کھلایا اور مجھے بھی اس کا ایک ٹکڑا کھلایا،

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے تناول فرمایا، چنانچہ اس روایت کے آخر میں امام حاکم نے لکھا ہے :-

قال الحاکم: لم اخرج من اول هذا الكتاب الى هنا لعلي بن زيد بن جدعان حرفاً واحداً ولم احفظ في اكل رسول الله صلى الله عليه وسلم الزنجبيل سواه فخرجته[۱]	میں نے اس کتاب کے شروع سے لیکر یہاں تک علی بن زید بن جدعان سے ایک حرف بھی روایت نہیں کیا ہے، اور اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زنجبیل تناول فرمانے کے سلسلے میں مجھے یاد نہیں ہے

[۱] المستدرک ج ۴ ص ۳۵، طبع حیدرآباد

امام ذہبی نے مستدرک کی تلخیص میں اس حدیث کے راوی عمرو بن حکام تلمیذ امام شعبہؒ پر کلام کیا ہے، رجال و اسناد پر کلام کرنا محدثانہ بحث ہے، تاریخی اعتبار سے یہ روایت معتبر اور مستند ہے، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے کسی راجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں زنجبیل کا ہدیہ روانہ کیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ ہدیہ راجہ کے کسی خاص قاصد کے ذریعہ بھیجا گیا ہوگا، جس نے مدینہ منورہ جاکر خدمت نبوی میں پیش کیا ہوگا، راجہ کی طرف سے محبت و عقیدت کا پیغام پہنچا ہوگا، اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راجہ اور اس کے قاصد کے ساتھ نیک سلوک فرمایا ہوگا جیسا کہ عام دستور ہے، غالباً ہجرت کے بعد خدمت نبویؐ میں ہندوستان کے راجہ کا یہ ہدیہ پہنچا ہے، جب آپ کی بعثت اور اسلام کی شہرت عام ہو چکی تھی، اور پاس پڑوس کے ممالک میں آپ کا چرچا ہو چکا تھا.

باقی رہا یہ سوال کہ یہ ہدیہ کس راجہ نے بھیجا تھا، اور وہ کس علاقہ کا حکمراں تھا، تو اس کی تعیین نہیں ہو سکی، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں قنوج کے راجہ سرباتک کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس حذیفہ، اسامہ اور صہیب رضی اللہ عنہم کو اسلام کا دعوت نامہ دیکر بھیجا تھا، اور اس نے اسلام کی دعوت قبول بھی کر لی تھی، مگر یہ روایت خود حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ذہبیؒ کی تصریحات کے مطابق قابلِ اعتماد نہیں ہے، ورنہ یہ قیاس کیا جا سکتا تھا کہ راجہ سرباتک ہی نے اسلام قبول کرنے کے بعد خدمت نبوی میں زنجبیل کا نذرانہ پیش کیا، ممکن ہے کہ سرندیپ کے راجہ نے وہاں کے سنیاسیوں کی طرح آپ سے تعلق پیدا کرنے کے لیے یہ شکل اختیار کی ہو، بنگال کے راجگان رہمی، شاہان ایران کے پاس قدیم زمانہ سے گراں قدر ہدایا و تحائف بھیجا کرتے تھے، ہو سکتا ہے کہ اسی خاندان کے کسی راجہ نے خدمت نبوی میں بھی ہدیہ بھیجا ہو،

ابن قیم نے زاد المعاد میں اس واقعہ کو ابو نعیم کی کتاب الطب النبوی کے حوالے سے نقل کیا ہے، مگر اس میں ملک الہند کے بجائے ملک الروم ہے، اور بعض الفاظ میں بھی معمولی سا فرق ہے،[۱]

[۱] المستدرک ج ۴ ص ۱۳۵ طبع حیدرآباد،

ابو عبد اللہ حاکم اور ان کی کتاب المستدرک میں اور ابو نعیم اصفہانی اور ان کی کتاب الطب النبوی میں بڑا فرق ہے، مستدرک کا درجہ الطب النبوی سے بدرجہا بلند ہے، پھر زنجبیل خاص ہندوستانی چیز ہے، اور قدیم زمانے سے یہاں کے راجے مہاراجے اطراف کے بادشاہوں کے پاس اس کا ہدیہ بھیجا کرتے تھے، اسلیے کسی رومی بادشاہ کا زنجبیل کا ہدیہ بھیجنا بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے۔

سرباتک راجہ قنوج اور رتن ہندی کی حقیقت

پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک صحابہ کرام کے وجود باوجود سے دنیا خالی ہو گئی تھی، جیسا کہ تاریخ شاہد ہے، اس کے باوجود بعد میں چند ایسے افراد پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس قسم کے دو شخص ہندوستان میں بھی گذرے ہیں، ایک سرباتک راجہ قنوج، اور دوسرے بابا رتن ہندی، ان دونوں نے اپنے زمانہ میں صحابیٔ رسول ہونے کا دعوی کیا ہے، اور آپ سے ملاقات کے واقعات بیان کیے ہیں، بلکہ رتن ہندی کی کچھ بیان کردہ روایتیں بھی ہیں جن کا مجموعہ رتنیات کے نام سے ایک زمانہ میں صوفیہ کے ایک طبقہ میں مقبول و متداول تھا۔

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اور ابن حجر نے اصابہ میں سرباتک کا تذکرہ کیا ہے، ابن حجر نے سرباتک کے دعویٔ صحابیت کا شد و مد سے رد کیا ہے، پہلے ابو موسیٰ کے ذیل کے حوالہ سے اسحٰق بن ابراہیم طوسی کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں نے ہندوستان کے راجہ سرباتک کو قنوج نامی شہر میں دیکھا ہے، میں نے اس سے دریافت کیا کہ اس وقت تمھاری عمر کیا ہے، تو اس نے بتایا کہ میری عمر سوا سات سو سال کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس حذیفہؓ، اسامہؓ اور صہیبؓ کو بھیجا، اور انھوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی، میں نے اسلام قبول کر لیا،

پھر ابو حاتم احمد بن محمد بن حامد بلوی کے واسطہ سے ابو سعید مظفر بن اسد حنفی طبیب کا بیان نقل کیا ہے:

سمعت سرباتک الہندی یقول

میں نے سرباتک ہندی کو کہتے ہوئے سنا ہو کہ

[1] زاد المعاد ج ۳ ص ۲۲۵ مطبوعہ محمد علی صبیح مصر

رأیت محمداً صلی اللہ علیہ وسلم مرتین بمکۃ وبالمدینۃ مرۃ، وکان احسن الناس وجہاً، ربعۃ من الرجال[1]

میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں دیکھا ہے، آپ تمام انسانوں سے زیادہ خوبصورت اور میانہ قد کے تھے۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر نے حافظ ذہبی کا قول نقل کر کے اس کو جھوٹ قرار دیا ہے،

قال الذہبی فی التجرید ہذا کذب واضح وقد عذر ابن الاثیر ابن مندہ فی ترکہ اخراجہ

ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں کہا ہے کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے اور ابن اثیر نے ابن مندہ کو اس کا تذکرہ نہ کرنے پر معذور قرار دیا ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ ۳۳۳ھ میں سرباتک کا انتقال ہوا، اس وقت اس کی عمر ۸۹۴ برس کی تھی،

علامہ محمد طاہر گجراتی نے تذکرۃ الموضوعات میں سرباتک کو معمرین کذابین کی فہرست میں داخل کر کے اصابہ کی عبارت نقل کی ہے، اسی طرح صاحب نزہۃ الخواطر نے اصابہ کی عبارت نقل کر دی ہے، میں نے بھی رجال السند والہند میں اسی کو نقل کر کے لکھا ہے کہ سرباتک نامی شخص کے وجود میں شبہ نہیں جس طرح اس کے دعوائے صحابیت کے کذب میں کوئی شبہ نہیں۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں رتن ہندی کا تذکرہ کر کے اس کے دعوئ صحابیت کے خلاف علمائے رجال و تاریخ کی تصریحات نقل کی ہیں اور تفصیل سے اس کا رد کیا ہے۔[2]

نزہۃ الخواطر میں بحر زخار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابو الرضا رتن پنجاب کے شہر بھٹنڈہ میں پیدا ہوئے جب سن رشد کو پہنچے تو مرشد کامل کی تلاش ہوئی، اسی اثنا میں ان کو معلوم ہوا کہ ملک عرب میں ایک شخص نے اللہ کی طرف سے نبی ہونے کا دعوی کیا ہے، یہ سنکر مکہ مکرمہ گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیام اور آپ سے فیض حاصل کر کے ہندوستان واپس آئے، اس کے بعد چھ سو سال سے زائد زندہ رہے، انھوں نے الرسالۃ الرتنیہ نامی کتاب بھی لکھی ہے، جس میں بغیر سند کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الاصابہ جلد ۲ ص ۱۲۱ [2] ایضاً

سے براہ راست سنی ہوئی احادیث کو جمع کیا ہے، رتن ہندی کی تصدیق شیخ علاء الدین سمنانیؒ، خواجہ محمد پارساؒ، شیخ رضی الدین لالاؒ جیسے مشائخ نے کی ہے، چھٹی صدی کے بعد ان کا انتقال ہوا، اور بھٹنڈہ میں ان کی قبر ہے[1]،

شیخ صلاح الدین صفدی اور شیخ مجد الدین فیروزآبادی صاحب قاموس نے بھی، رتن ہندی کے وجود کی تصدیق کی ہے، صفدی نے اسے عقلاً جائز قرار دیکر علامہ ذہبی کے انکار کی مخالفت کی ہے اور فیروزآبادی نے لکھا ہے کہ میں رتن ہندی کے وطن میں جا چکا ہوں، بے شمار لوگوں میں نسلاً بعد نسلٍ ان کا تذکرہ نقل ہوتا چلا آتا ہے، رتن ہندی نے اپنی کتاب میں تین سو سے زائد احادیث بیان کی ہیں جن کا اکثر حصہ واہی تباہی باتوں پر مشتمل ہے[2]،

مورخین اور علماے رجال کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سب سے آخری صحابی ہیں جو ایک روایت کے مطابق ۱۱۰ھ میں دنیا سے تشریف لے گئے، ان کے بعد دنیا کی آنکھ کسی صحابیِ رسول کو نہیں دیکھ سکی، صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے تقریباً ایک ماہ قبل صحابہ سے ارشاد فرمایا تھا:

فانه علی راس مائة سنة	تم میں سے جو لوگ آج روے زمین پر موجود ہیں
منها لا یبقی علی وجه الارض	ایک صدی گذرتے گذرتے ان میں ایک بھی
ممن هو الیوم علیها احد	باقی نہیں رہے گا۔

شرعی اور تاریخی نقطۂ نظر سے راجہ سرباتک یا رتن ہندی کی صحابیت ثابت نہیں ہے، اور ان کا شمار ان لوگوں میں بھی نہیں ہو سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر یا مدرک تھے، محض اس کا عقلی جواز اور مشائخ کی باطنی شہادت اس کے تاریخی ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۴۱ [2] رتن ہندی کی پوری تفصیل کے لیے الاصابہ ج ۱ ص ۵۱۵ تا ۵۲۰ مطبع مصطفے محمد مصر ملاحظہ ہو۔

امام بخاری

اور

انکی جامع صحیح کی خصوصیات

از جناب مولوی تقی الدین صاحب ندوی استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(۲)

تصنیفات امام صاحب نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، ان کی مجمل فہرست یہ ہے:-

الجامع الصحیح[1]، الادب المفرد[2]، التاریخ الکبیر[3]، التاریخ الاوسط[4]، التاریخ الصغیر[5]، خلق افعال العباد[6]، جزء رفع الیدین[7]، قراءة خلف الامام[8]، بر الوالدین[9]، کتاب الضعفاء[10]، الجامع الکبیر[11]، التفسیر الکبیر[12]، کتاب الاشربة[13]، کتاب الهبة[14]، کتاب المبسوط[15]، کتاب الکنی[16]، کتاب العلل[17]، کتاب الفوائد[18]، کتاب المناقب[19]، اسامی الصحابة[20]، کتاب الوحدان[21]، قضایا الصحابة[22]،

الجامع الصحیح ان میں سب سے اہم بالشان "الجامع الصحیح" ہے، جس پر ہمیں آیندہ صفحات میں گفتگو کرنی ہے۔

متعین طور سے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ امام موصوف نے اس کتاب کی تصنیف کا آغاز کس سنہ سے کیا، اور کب اس سے فارغ ہوئے، لیکن اتنا معلوم ہے کہ تصنیف کرنے کے بعد اس کو اپنے شیوخ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، ابن المدینی ۲۳۴ھ، اور ابن معین ۲۳۳ھ کے سامنے پیش کیا تھا، ابن معین کا سنہ وفات ۲۳۳ھ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سنہ میں بخاری تصنیف سے فارغ ہو چکے تھے، البتہ اس میں کچھ بعد میں اضافے بھی کرتے رہے[1]، یہ کتاب امام موصوف نے سولہ سال میں مکمل کی[2]،

---

[1] لامع ص ۲۲ [2] ایضاً ص ۳۷

خود فرماتے ہیں:۔ "صنفت کتابی الصحیح فی ست عشرۃ سنۃ"[1] اس لیے اس کا آغاز ۲۱۷ھ میں ہوگا، جبکہ آپ کی عمر شریف ۲۳ سال کی تھی۔[2]

وجہ تالیف | دور صحابہ میں کتابت حدیث کا عام رواج نہیں ہوا تھا، اگرچہ احادیث کے متعدد مجموعے تحریری شکل میں آگئے تھے، اس کے مختلف اسباب تھے،

(۱) ابتدا میں صحابہ کرام کو کتابت حدیث سے روک دیا گیا تھا جب قرآن مجید سے اشتباہ کا اندیشہ جاتا رہا تو اس کی اجازت دے دی گئی،

(۲) ان کے حافظے نہایت قوی تھے، اس لیے کتابت کی چنداں ضرورت نہ تھی،[3]

(۳) تیسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ صحابہؓ کرام کی جماعت نہایت مختصر تھی، اور ان کا سارے عالم میں دین پہنچانا تھا، اور تصنیف و تالیف کے لیے سکون و اطمینان کی ضرورت ہے،[4]

لیکن تابعین کے دور آخر میں جب روافض و خوارج اور قدریہ وغیرہ نیز دیگر فرق ضالہ کا شور اٹھا، تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم سے آثار و احادیث کی جمع و تدوین کا باقاعدہ کام شروع ہوا، اس کے بعد اس فن میں مزید ترقی ہوئی، اور علماء نے احکام پر مستقل کتابیں لکھیں، امام مالک نے مؤطا تصنیف کی، اور اس میں اہل حجاز کی قوی روایات کو جمع کرنے کا اہتمام فرمایا، اور اس کے ساتھ صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کے اقوال کو بھی شامل کر دیا، دوسری صدی کے آخر تک یہی طریقۂ تصنیف رائج رہا، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو چھانٹ کر اس پر مستقل کام کرنے کا خیال پیدا ہوا، اس سے مسانید کے لکھنے کا رواج ہوا، اور امام بخاری کے عہد تک احادیث کے بہت سے مجموعے تیار ہوگئے، جب انھوں نے ان مجموعوں کو دیکھا اور پرکھا تو اس میں صحیح و ضعیف ہر طرح کی روایات نظر آئیں، اس لیے انھوں نے احادیث صحیحہ کا ایک ایسا مجموعہ تیار کرنے کا ارادہ کیا جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو،

---

[1] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۳۵ [2] لامع ص ۳۶ [3] تدریب ص ۲۴ [4] لامع ص ۲۲

ان کے استاد امیر المومنین فی الحدیث اسحٰق بن راہویہ نے ان کے ارادہ کو اور زیادہ قوی کر دیا، امام بخاری فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم ان کی خدمت میں حاضر تھے، انھوں نے فرمایا: "کاش! احادیث صحیحہ کے عنوان پر ایک کتاب تم جمع کر دیتے"۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی، دوسری غیبی تائید یہ ہوئی کہ انھوں نے خواب دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں، ان کے ہاتھ میں ایک پنکھا ہے جس کے ذریعہ آپ کے اوپر سے دفع کر رہے ہیں، بیدار ہو کر بعض معبرین سے تعبیر دریافت کی، انھوں نے کہا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کذب کو دفع کروگے، اس خواب نے ان کے شوق و ہمت کو اور بلند کر دیا، اور الجامع الصحیح کی تالیف میں ہمہ تن مشغول ہوگئے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مولف نے پوری کتاب میں صحت کا التزام رکھا ہے جو اس کے نام سے ظاہر ہے۔[1]

وجہ تسمیہ | اس کتاب کا پورا نام ہے "الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وأیامہ"۔

الجامع: جس میں فن حدیث کے آٹھوں ابواب ہوں، اس کو جامع کہتے ہیں، اور اس میں سب ابواب موجود ہیں۔ الصحیح: اس کی تمام حدیثیں صحیح ہوں، اگر کوئی معلل یا شاذ روایت آگئی ہے تو اس کا ضمناً ذکر ہے۔ المسند: بطور تاکید کے ہے۔ سننہ: یعنی آپ کے اقوال و افعال و احوال پر مشتمل ہے، أیامہ: امام بخاری نے دور جاہلیت کے بعض ایسے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جس سے آپ کی زندگی کا تعلق ہے۔[2]

اس تصنیف میں اہتمام | اس تصنیف میں امام بخاری نے سولہ سال صرف کیے، اور اس کو انھوں نے تین بار تصنیف کیا، فرماتے ہیں: قد صنفت کتبی ثلاث مرات۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص ۵ [2] افادات حضرت الاستاذ شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی مدظلہ

وکانہ اراد بالتکریر والتنقیح[۱] یعنی تنقیح وتہذیب تین بار فرمائی ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: ’’ابن طاہر نے کہا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کو بخارا میں تصنیف کیا‘‘۔ ابن بجیر فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بصرہ میں، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تصنیف ہوئی۔[۲]

لیکن خود امام بخاری کا بیان ہے کہ میں نے ’’الجامع الصحیح‘‘ کو مسجد حرام میں تصنیف کیا، اور ہر حدیث کو درج کرنے سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ سے استخارہ کرکے دو رکعت نماز پڑھتا تھا، اور جب اس کی صحت پر پوری طرح انشراح ہو جاتا تھا، اس وقت حدیث کو کتاب میں جگہ دیتا تھا، اس اہتمام کی وجہ سے لوگوں کا قول ہے کہ امام بخاری نے گویا براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

کان البخاری فی جمعہ   تلقی من المصطفیٰ ما اکتتب[۳]

بخاری کے تراجم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک اور منبر شریف کے درمیان مسودہ سے مبیضہ میں منتقل کیا تھا، اور ہر ترجمہ کے لیے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔[۴]

مقام تصنیف کے بارہ میں جو متعدد مقامات بیان کیے جاتے ہیں، ان میں حافظ ابن حجر نے یہ تطبیق دی ہے کہ تصنیف کا ابتدائی خاکہ اور ترتیب وابواب تو مسجد حرام لکھ لیے تھے اور مختلف مقامات پر احادیث کی تخریج فرماتے رہے، تراجم الابواب کے مسودہ کو مزار مبارک اور [illegible] شریف کے درمیان مبیضہ میں تبدیل فرمایا۔[۵]

الجامع الصحیح کی مقبولیت

بخاری شریف کے محاسن وفضائل بے شمار ہیں جس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا حافظ ابن صلاح بخاری ومسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کتاباهما اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ العزیز ثم ان کتاب البخاری اصح الکتابین صحیحا واکثرها فوائد[۶] یعنی کتاب اللہ کے بعد ان دونوں کتابوں کا درجہ ہے، پھر صحیح بخاری کا مرتبہ صحت اور کثرت فوائد کے لحاظ سے ممتاز و مقدم ہے۔

۱ مرقاۃ ج ۱ ص ۱۳ ۲ عمدۃ القاری ج ۱ ص ۵ ۳ ارشاد الساری ص ۲۹ ۴ مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۱ ۵ ایضاً ص ۴۸۹
۶ مقدمہ ابن صلاح

امام نسائی فرماتے ہیں: ’’اجود هذه الکتب کتاب البخاری‘‘۔[۱]

ابو زید مروزی فرماتے ہیں کہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا اے ابو زید! امام شافعی کی کتاب کا درس کب تک دو گے؟ میری کتاب کا درس آخر کب دو گے؟ انھوں نے عرض کیا حضور آپ کی کونسی کتاب ہے؟ فرمایا محمد بن اسمٰعیل البخاری کی ’’الجامع الصحیح‘‘۔[۲]

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کتاب کی تعظیم نہ کرے وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے،[۳] شاہ صاحب قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کو جو شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی، اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔[۴]

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ’’بخاری شریف کے پڑھنے سے قحط سالی دور ہو جاتی ہے، اور قحط کے زمانے میں اس کے ختم کی برکت سے بارش کا نزول ہوتا ہے‘‘۔[۵]

ایک محدث نے اس کو ایک سو بیس مرتبہ مختلف مقاصد کے لیے پڑھا، اور ہر مرتبہ کامیابی ہوئی،[۶]

جامع صحیح کا مقصد و مقصود اعظم

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مصنف نے پوری کتاب میں صحت کا التزام رکھا ہے، اور اس میں صرف احادیث صحیحہ ہی لائے ہیں، جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ انھوں نے فقہی مسائل اور حکیمانہ نکتوں کا بھی لحاظ رکھا ہے، چنانچہ متون احادیث سے بہت سے معانی استنباط فرماتے ہیں، جو مناسب طریقے سے پوری کتاب میں موجود ہیں۔ اسی طرح آیات احکام کی طرف بھی پوری توجہ رکھی ہے، اور اس سے عجیب وغریب معانی کی طر[illegible]ارہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ: امام بخاری کی اصل غرض احادیث کے ذخیرہ سے صحیح و مستفیض و متصل کا انتخاب ہے، اور ان سے فقہ وسیرت اور تفسیر کو بھی استنباط کیا ہے،

۱ تہذیب الاسماء والصفات ج ۱ ص ۴۸ ۲ مقدمہ فتح الباری ص ۵، ۷ ۳ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۷۹، ۴ ایضاً
ج ۱ ص ۱۵۰ ۵ ارشاد الساری ج ۱ ص ۲۹ ۶ اتحاف النبلاء ص ۱۰۴، لامع ص ۲۴

اور اخذ حدیث میں جو شرط انھوں نے مقرر کی تھی، وہ بدرجۂ کمال پوری کی ہے۔[۱]

اس سے معلوم ہوا کہ امام موصوف کا مقصود اعظم اپنی الجامع الصحیح میں طرق استنباط میں اسی لیے فقہ البخاری فی تراجمہ کہا گیا ہے، بخاری کا سارا کمال ان کے تراجم ابواب میں ہے۔[۲]

امام بخاری کے تخریج کے شرائط شروط الائمہ پر علما نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، محمد ابن طاہر مقدسی فرماتے ہیں کہ ان ائمہ یعنی بخاری و مسلم اور سنن اربعہ کے مصنفین میں سے کسی سے بھی تخریج روایات میں ان کے شرائط منقول نہیں، بلکہ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے،[۳] بخاری کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی روایت کی تخریج کرتے ہیں جس کے سارے رواۃ صحابی مشہور تک ثقہ ہوں، اور ان کی ثقاہت پر کبار محدثین کا اتفاق ہو، اس کی سند متصل ہو، منقطع نہ ہو، جس روایت کے صحابی سے دو یا اس سے زیادہ راوی ہوں، وہ نہایت ہی اعلیٰ وارفع ہوگی، اور اگر ایک ہی راوی ہو اور اس کی سند صحیح ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، امام مسلم نے ایسے لوگوں سے حدیث کی تخریج کی ہے، جن کی حدیث کو کسی شبہہ کی بنا پر امام بخاری نے ترک کر دیا تھا، جس کی مثال امام زہری کے تلامذہ میں جو اوصاف کی کمی اور زیادتی کے لحاظ سے پانچ طبقوں میں تقسیم کیے گئے ہیں، امام بخاری نے ان میں سے طبقۂ اولیٰ سے اصالۃً اور طبقۂ ثانیہ سے جن کی احادیث پر ان کو اعتماد ہے، ان کو بخاری میں روایت کیا ہے، لیکن بالاستیعاب ایسا نہیں کیا ہے، اور امام مسلم نے دونوں طبقوں کی حدیث کو بالاستیعاب لیا ہے، اسی طرح طبقۂ ثالثہ کی روایات کو امام بخاری نے بالکل قبول نہیں کیا ہے، لیکن امام مسلم ان سے بھی کبھی کبھی روایت کرتے ہیں۔[۴]

اسی طرح ابو عبد اللہ حاکم نے حدیث صحیح کی تعریف یہ کی ہے کہ اس کو کوئی مشہور صحابی نبی کریم

۱؎ حجۃ ج ۱ ص ۱۵ ۲؎ لامع ص ۲۴ ۳؎ شرط الائمہ ص ۱ ۴؎ تدریب الراوی ص ۴۱

سے روایت کرے، پھر اس صحابی سے دو ثقہ راوی روایت کرتے ہوں، لیکن صحیحین سے ان کا دعویٰ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ شیخین نے بہت سے ایسے صحابہ کی روایات کو نقل کیا ہے، جن سے صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہے،[۱] علامہ حازمی فرماتے ہیں:-

"شرط الصحیح ان یکون اسنادہ متصلاً وان یکون راویہ مسلماً صادقاً غیر مدلس ولا مختلط متصفاً بصفات العدالۃ ضابطاً متحفظاً سلیم الذہن قلیل الوہم سلیم الاعتقاد۔"[۲]

جامع بخاری کا مقام کتب احادیث میں مذکورہ بالا شرائط اور دیگر وجوہ کی بنا پر امت کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری کو صحاح اور تمام کتب حدیث پر ترجیح حاصل ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری صحت اور دیگر فوائد کے لحاظ سے صحیح مسلم پر فائق ہے،[۳] حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:-

لایوازیہ فیہ غیرہ لا صحیح مسلم ولا غیرہ[۴]	بخاری کا صحیح مسلم اور کوئی کتاب مقابلہ نہیں کر سکتی،

البتہ امام شافعی سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ

انہ قال ما اعلم فی الارض کتابا اکثر صوابا من کتاب مالک و فی لفظ عنہ ما بعد کتاب اللہ اصح من موطا مالک	روئے زمین پر امام مالک کی کتاب سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی کتاب نہیں ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ کتاب اللہ کے بعد موطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔

لیکن علامہ نووی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا یہ فیصلہ ان دونوں کتابوں کے وجود میں آنے سے پیشتر تھا، امام شافعی کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی جبکہ امام بخاری کی عمر دس سال کی تھی، اور اسی سال امام مسلم

۱؎ تدریب ص ۳۸ ۲؎ شروط الائمہ ۳؎ مقدمہ شرح مسلم ص ۱۱ ۴؎ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۲۸

پیدا ہوئے[4]

حضرت شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں:- بخاری، مسلم، موطا کی حدیثیں نہایت صحیح ہیں، اور موطا کی اکثر روایات مرفوعہ صحیح بخاری میں موجود ہیں،[5]

لیکن حاکم کے شیخ ابو علی نیشاپوری اور بعض مغاربہ نے صحیح مسلم کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ العزیز کہا ہے، حافظ ابن حجر نے اس قول کی یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے ان لوگوں نے حسن ترتیب کے لحاظ سے مسلم کو ترجیح دی ہو، کیونکہ امام مسلم نے اپنے شہر میں بیٹھ کر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی کتاب کی تصنیف کی، اور امام بخاری نے مختلف مقامات میں رہ کر روایات کی تخریج کی ہے۔ حضرت الاستاذ مدظلہ (شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب) فرماتے ہیں کہ "اگر ان کے قول کی یہ توجیہ نہ کیجائے تو بھی جمہور کے مقابلہ میں ان کا قول شاذ و ناقابل اعتبار ہے۔" (افادات)

صحیح بخاری کے صحیح مسلم پر ترجیح کی ایک قوی دلیل یہ بھی ہے کہ بخاری کی روایات کے مقابلہ میں مسلم کی روایات پر زیادہ کلام کیا گیا ہے،

امام دارقطنی فرماتے ہیں:-

لولا البخاری لما جاء مسلم (مقدمہ فتح الملہم) اگر بخاری نہ ہوتے تو مسلم کا وجود نہ ہوتا،

تعداد روایات

علامہ نووی و شیخ ابن صلاح کے نزدیک تکرار کے ساتھ بخاری کی روایات کی تعداد ۷۲۷۵ ہے، اور عدم تکرار کے ساتھ ۴۰۰۰ (تدریب ص ۳۰) لیکن حافظ ابن حجر نے پوری احتیاط سے شمار کیا تو روایات مرفوعہ کی تعداد ۷۳۹۷، اور تکرار کے ساتھ متابعات و تعلیقات کی تعداد ۱۳۴۱ ہے، جن میں اکثر کو امام بخاری نے مسنداً بیان کر دیا ہے، اور موقوفات صحابہ و مقطوعات تابعین کی تعداد ۳۴۱ ہے، اس طرح مجموعی تعداد ۹۰۸۲ ہے، غیر مکرر روایات مرفوعہ ۲۳۵۳ اور غیر مکرر متابع و معلق ۱۶۰ ہیں،

[4] لامع ص ۱۴ [5] عجالۂ نافعہ ص ۲

اس طرح غیر مکرر مجموعہ ۲۵۱۳ ہے، اس تعداد میں آثار صحابہ و تابعین جن کا تراجم ابواب میں تذکرہ ہے شامل نہیں ہیں[1]

جامع صحیح کی خصوصیات

(۱) امام بخاری کو دوران تالیف میں جب کبھی تالیف کا سلسلہ چھوڑنا پڑا تو دوبارہ جب بھی شروع کیا تو اسکی ابتدا بسم اللہ سے کی، اس لیے درمیان میں متعدد جگہوں پر بسم اللہ مذکور ہے،

(۲) عام طور پر مشہور ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں صیغۂ تمریض سے روایات کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جن معلق روایات کو امام موصوف نے صیغۂ جزم سے بیان کیا ہے ان کی صحت کا فیصلہ کیا گیا ہے لیکن جب صیغۂ تمریض سے بیان کرتے ہیں تو ان کی صحت کا حکم تو نہیں لگایا جائیگا لیکن صحیح بخاری میں آجانے کی وجہ سے ناقابل اعتبار بھی نہیں سمجھا جائیگا، حافظ ابن حجر نے علامہ نووی کے کلام پر تعقب کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں صحیح رائے ہمارے شیخ کی ہے کہ امام بخاری صیغۂ تمریض کو ضعف اسناد کے ساتھ خاص نہیں کرتے، بلکہ جب کبھی متن کو بالمعنی اختصار کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو صیغۂ تمریض سے اس اختلاف کی طرف اشارہ فرماتے ہیں،

(۳) صحیح بخاری کا امراض و مصائب، دشمنوں کے خوف وغا کی گرانی وغیرہ میں پڑھنا تریاق مجرب ہے،

(۴) عام طور پر مشہور ہے کہ امام بخاری جب قال فلان کہتے ہیں تو یہ مذاکرہ پر محمول ہوتا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کا رتبہ تحدیث سے کم ہے، اور یہ صیغہ وہاں استعمال کرتے ہیں جہاں روایت انکی شرط پر نہیں ہوتی لیکن یہ کلیہ نہیں ہے، کیونکہ کبھی اس کو صیغۂ تحدیث سے بھی بیان کر دیتے ہیں،

(۵) امام بخاری کا معمول ہے کہ جب حدیث میں کوئی ایسا غریب لفظ آجاتا ہے جس کی نظیر کتاب اللہ میں موجود ہے تو اس کی وضاحت میں مفسرین کے اقوال نقل کر دیتے ہیں، اسی طرح کبھی باب کی مناسبت سے آیات قرآنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، اور اکثر آیات کے بجائے صرف اسکے چند الفاظ نقل کر دیتے ہیں، کتاب التفسیر و کتاب بدء الخلق میں بکثرت اس کی مثالیں ہیں،

[1] مقدمہ فتح ص ۴۶۵ [2] لامع ص ۳۰

(۶) محدثین کرام کے نزدیک سند عالی کی بڑی خصوصیت رہی ہے، بخاری کا یہ خاص امتیاز ہے کہ اس میں بائیس ۲۲ روایات ثلاثی ہیں، جن کا تذکرہ حاشیہ پر نہایت جلی قلم سے کیا گیا ہے، ان میں سے بیس ثلاثیات کے شیوخ حنفی ہیں اور دو کے متعلق تحقیق نہیں۔ (کذا فی اللامع ص ۳۰)

(۷) شروع میں بیان کیا جاچکا ہے کہ امام بخاری کے پیش نظر طرق استنباط ہے، اس لیے ایک ہی حدیث کو استنباط مسائل یا کسی دوسرے مقصد سے متعدد مقامات پر بیان کرتے ہیں، مثلاً انما الاعمال بالنیات والی روایت کو تیرہ ۱۳ مقام پر ذکر کیا ہے، حالانکہ امام موصوف نے خود فرمایا ہے کہ میں مکرر روایت کو اس کتاب میں داخل نہ کروں گا،[1] حافظ ابن حجر نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ بالارادہ اپنی کتاب میں ایک ہی سند و متن کو مکرر نہیں لاتے، اگر کہیں تکرار ہے تو محض اتفاقی ہے،[2] پوری کتاب میں ۲۲ روایات مکرر ہیں جو اتنی ضخیم کتاب کے لیے زیادہ نہیں کہی جاسکتیں۔

(۹) تاریخ پر بھی امام بخاری کی مجتہدانہ نظر ہے، حضرت الاستاذ مدفیوضہم کی تحقیق میں امام بخاری ہر کتاب کے شروع میں اسکے زمانۂ نزول اور مشروعیت کی ابتدا کی طرف بھی کبھی کبھی اشارہ کردیتے ہیں، خصوصاً جبکہ اس میں کوئی اختلاف ہو، اور کبھی صراحت بھی کردیتے ہیں،

(۹) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام موصوف ہر کتاب کے اختتام پر کوئی نہ کوئی ایسا لفظ لاتے ہیں جس سے ختم کتاب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، مثلاً بدء الوحی کے آخر میں فکان ذلک آخر شان ہرقل اور کتاب الحج کے ختم پر واجعل موتی ببلد رسولک، حضرت الاستاذ کی رائے ہے کہ امام بخاری ہر کتاب کے ختم پر کوئی ایسا لفظ لاتے ہیں جس سے ختم زندگی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب کو موت کے استحضار کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

(۱۱) کتاب کی ابتدا اور انتہا میں گہرا ربط ہے، حافظ ابن حجر نے اپنے استاذ کا قول نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب کو کتاب التوحید پر ختم کیا، کیونکہ توحید ہی آخرت میں کامیابی اور ناکامی کی اصلی میزان ہے اور اسکی ابتدا انما الاعمال بالنیات کی حدیث سے فرمائی، کیونکہ اعمال کی عند اللہ مقبولیت کے لیے اخلاص نیت ضروری ہے، اور آخرت میں صرف وہی اعمال وزنی ہونگے جو اخلاص

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۱، [2] مقدمہ فتح ص ۱۲

کے ساتھ رضائے الٰہی کے لیے کیے جائیں، یہ چند خصوصیات لامع کے مقدمہ سے بالاختصار نقل کی گئی ہیں۔

صحیح بخاری کے تراجم ابواب

شروع میں کہا جاچکا ہے کہ امام بخاری کے پیش نظر جس طرح احادیث صحیحہ کی تخریج ہے اسی طرح وہ ان سے بہت سے مسائل کا استنباط و استخراج بھی فرماتے ہیں، اسی لیے کبھی کبھی ایک روایت متعدد جگہوں پر نقل کرتے ہیں، جیسے حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث جو حضرت بریرہؓ کے واقعہ سے متعلق ہے، اس کو بیس مرتبہ سے زائد نقل کیا ہے، علماء کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ فقہ البخاری فی تراجمہ بخاری کا سارا کمال ان کے تراجم میں ہے، علامہ کرمانی فرماتے ہیں، امام صاحب نے اپنے تراجم ابواب میں جس دقت نظر کا مظاہرہ فرمایا ہے اس کو سمجھنے سے بڑے بڑے اہل علم قاصر رہے ہیں، اس کی اسی اہمیت کی بنا پر متقدمین اور متاخرین نے تراجم ابواب پر مستقل رسالے لکھے ہیں، حضرت الاستاذ نے لامع الدراری میں چھ کتابوں کا تذکرہ فرمایا ہے، مگر آج ہمارے سامنے صرف دو رسالے موجود ہیں، (۱) ایک حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا رسالہ شرح تراجم البخاری (۲) دوسرا حضرت شیخ الہند کا الابواب و التراجم جو اردو میں ہے، پہلے رسالے میں چودہ اور دوسرے میں پندرہ اصول بیان کیے گئے ہیں، شراح بخاری میں حافظ ابن حجر اور عینی نے بھی تراجم ابواب کی طرف توجہ فرمائی ہے، اول الذکر نے بعض اصولوں کی نشاندہی بھی کی ہے، فرماتے ہیں کہ امام موصوف نے بہت سے فقہی فوائد اور حکیمانہ نکتے اپنی کتاب میں بکھیرے ہیں، اور غور و فکر کرنے والوں کو اس میں بہت سی نادر چیزیں ملتی ہیں،[1] من جملہ حضرت الاستاذ نے ان حضرات کے بیان کردہ اصولوں کی تفصیل فرمائی ہے، اور اس پر اضافے بھی کیے ہیں، اس طرح ان اصولوں کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی ہے، اگر ان کو پیش نظر رکھا جائے تو ہر جگہ حدیث اور ترجمہ میں مناسبت نظر آئے گی۔[2]

امام دارقطنی وغیرہ کے شبہات

صحیح بخاری کی جن روایات پر دارقطنی وغیرہ نے نقد کیا ہے، ان کی تعداد مجموعی طور پر

[1] مقدمہ فتح ص ۲ [2] لامع ص ۹۰

ایک سو دس ہے، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی وغیرہ نے اس کا مفصل جواب دیا ہے۔ حافظ ابن حجر جواب دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ الحمد للہ اکثر اعتراضات کا جواب کافی وشافی ہوگیا ہے، بعض جوابات محتمل ہیں، البتہ چند جگہوں پر تکلف سے کام لینا پڑا ہے، جب کوئی منصف مزاج ان جوابات پر غور کرے گا تو مصنف کی جلالت شان اور کتاب کی عظمت اس کی نظر میں دوبالا ہوجائے گی، اور اس پر واضح ہوجائے گا کہ علماء میں جو اس کو حسن قبول حاصل ہوا اور تمام کتب حدیث پر جو انھوں نے اس کو ترجیح دی، وہ سراسر مبنی بر حقیقت ہے، ناقدین کے اصول نقد چند کمزور اصولوں پر مبنی ہیں، جو جمہور ائمہ کے خلاف ہیں، اس لیے معارضہ کے وقت شیخین کی تصحیح کو فوقیت حاصل ہوگی۔[1] اسی طرح بخاری کے تقریباً اسی اور مسلم کے ایک سو ساٹھ رواۃ پر کسی نوع کا نقد کیا گیا ہے[2]، حافظ ابن حجر نے اس کا اجمالی جواب یہ دیا ہے کہ ینبغی لکل منصف ان یعلم تخریج صاحب الصحیح لای راو کان مقتض بعدالته عنده وصحة حفظه وعدم غفلته یعنی ہر منصف مزاج کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ امام بخاری اپنی کتاب میں جس راوی سے تخریج کریں ان کے نزدیک اس راوی کے عادل اور صحیح الحافظہ ہونے کی دلیل ہے، اس لیے جمہور ائمہ نے ان دونوں کتابوں کو صحیحین کے نام سے یاد کیا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متابعات وشواہد میں بھی عدالت وحفظ کا وصف امام بخاری کے نزدیک ضروری ہے۔[3]

تاہم اتنی ضخیم کتاب میں معمولی فروگذاشتوں اور تسامح کا ہونا بعید ہے اور نہ اس کی عظمت کے منافی ہے، چند مقامات پر امام موصوف سے تسامح ہوگیا ہے، جس سے واقفیت ایک طالب بخاری کے لیے ضروری ہے، تفصیل کے لیے لامع الدراری کا مقدمہ ملاحظہ ہو۔

(باقی)

---

[1] مقدمہ فتح ص ۵۰۰، و لامع ص ۲، [2] لامع ص ۴۸ [3] مقدمہ فتح ص ۳۸۴ وارشاد الساری ص ۲۱

مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس
کا
چھبیسواں جلسہ

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے

اس سال مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس کا چھبیسواں جلسہ ۴ر جنوری ۱۹۶۴ء سے ۱۰ر جنوری ۱۹۶۴ء تک دہلی میں منعقد ہوا، اب تک اس کے جلسے برابر یورپ میں ہوتے رہے، ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہوا کہ ایشیا میں اس کا جو اجلاس پہلی دفعہ کیا گیا، اس کے لیے نظر انتخاب ہندوستان کے دار السلطنت پر پڑی، خود حکومت ہند میزبان تھی، اور اس کانگریس کے صدر حکومت ہند کے لائق اور فاضل وزیر پروفیسر ہمایوں کبیر تھے، جنھوں نے اس کانگریس میں نہ صرف اپنی قابلیت اور لیاقت کا سکہ جمایا بلکہ ہندوستان کے علمی وقار کو بھی بلند کیا،

کانگریس میں امریکہ، کینیڈا، میکسیکو، برطانیہ، روس، فرانس، رومانیہ، پولینڈ، ہالینڈ، آسٹریا، ترکی، آسٹریلیا، تنگانائیکا، مصر، عراق، شام، لبنان، اسرائیل، کوریا، جاپان، ایران، پاکستان اور ہندوستان کے بارہ سو نمایندے شریک تھے، اکثریت ہندوستان کے نمایندوں کی تھی جنھوں نے مختلف یونیورسٹیوں اور اداروں کی نمایندگی کی،

کانگریس کے جلسہ کا انتظام ہر لحاظ سے قابل تعریف تھا، اور اس کے لیے حکومت ہند مبارکباد کی مستحق ہے، نمایندوں کو ہر طرح کی سہولت پہنچائی گئی، ان کے اعزاز میں چائے اور کھانے کی بڑی بڑی

دعوتیں ہوئیں، بیرونی مہمانوں کے لیے ہندوستان کے تاریخی مقامات کی سیر و سیاحت کا بھی انتظام تھا، علمی ضیافت کا بھی پورا سامان تھا، کانگریس کا اجلاس دہلی کی مشہور عمارت وگیان بھون میں ہوا، اس کے افتتاح سے پہلے ہر نمایندہ کے ہاتھ میں حسب ذیل کتابیں تھیں جو منتظمین کی طرف سے مفت تقسیم ہوئیں:

(۱) ہندوستان میں مشرقی علوم (Oriental studies in India) (۲) ہندوستان کے آثار قدیمہ، تاریخی یادگاریں، اور میوزیم حصہ اول و دوم (۳) دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقے، (۴) ہندوستان کے اہم مخطوطات (۵) کانگریس میں پڑھے جانے والے مقالات کے خلاصے دو جلد (۶) "ہندوستان میں مشرقی علوم" اس کے اسلامی علوم و فنون کے باب میں دار المصنفین کی علمی سرگرمیوں کا بھی ذکر تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

"دار المصنفین شبلی اکیڈمی ہندوستان کے اہم ترین اداروں میں سے ہے، یہاں سے اب تک اردو زبان میں تقریباً سو کتابیں سیرت، خلفائے راشدین، اسلامی ممالک کی تاریخ، عرب و ہند کے تعلقات، ہندوستان میں تصوف، اور ہندوستان کی تمدنی تاریخ وغیرہ پر شائع ہو چکی ہیں، اس علمی ادارہ کی بنیاد مولانا شبلی اور ان کے لائق شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی نے ڈالی، اور انھوں نے جو علمی روایت بنائی اس کو استوار کر کے ان کے جانشین مولانا مسعود علی ندوی، شاہ معین الدین احمد ندوی، سید صباح الدین عبد الرحمن اور دوسرے نوجوان اہل علم کی جماعت قائم کیے ہوئے ہے، فی الحال اس کی اہم علمی سرگرمیوں میں ۲۵ جلدوں میں ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی تاریخ بھی شائع کرنا ہے، جن میں اس عہد کے ہندوستان کے معاشرتی، مذہبی اور تہذیبی پہلوؤں پر تحقیقات ہوں گی، حال ہی میں مولانا ابو الحسن ندوی کی تاریخ دعوت و عزیمت دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے، بزم صوفیہ، اقبال کامل، اسلام اور عربی تمدن، حکمائے اسلام، تبع تابعین، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، گجرات کی تمدنی

تاریخ بھی قابل ذکر ہیں، معارف اسلامی علوم و فنون کا بڑا معیاری ماہانہ رسالہ ہے، اسلامی ممالک میں جتنی کتابیں شائع ہوتی ہیں، ان پر اس میں تنقیدیں اور تبصرے بھی شائع ہوا کرتے ہیں، اس میں اسلام کے مختلف پہلوؤں پر جو ناقدانہ مضامین ہوتے ہیں، ان کے اعلیٰ معیار کو شاہ معین الدین احمد ندوی اور ان کے رفقائے کار قائم رکھے ہوئے ہیں، اس کے لیے وہ تعریف و ستائش کے مستحق ہیں"

اسی کتاب میں عربی اور فارسی علوم کے باب میں بھی دار المصنفین کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

"دار المصنفین جو شبلی اکیڈمی کے نام سے بھی مشہور ہے، ۱۹۱۵ء میں مولانا شبلی کے علمی مشن کو پورا کرنے کے لیے قائم ہوا، اس کی مطبوعات کے ترجمے مصر، ترکی، ایران اور افغانستان میں ہوئے ہیں، یہاں سے معارف شائع ہوتا ہے، جو اردو کا قدیم ترین معیاری ماہانہ رسالہ ہے، عربی اور فارسی ماخذوں سے جو کتابیں یہاں لکھی گئی ہیں ان میں کچھ یہ ہیں: تاریخ سندھ از سید ابو ظفر ندوی، بزم تیموریہ از سید صباح الدین عبد الرحمن، تاریخ اسلام از مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اندلس از سید ریاست علی ندوی، حکمائے اسلام از مولانا عبد السلام ندوی، اور بزم مملوکیہ از سید صباح الدین عبد الرحمن۔"

کانگریس کے اجلاس کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے اس کے گذشتہ اجلاس کے صدر روسی مستشرق ڈاکٹر بی گیفرو نے اپنا الوداعی خطبہ پڑھا، انھوں نے تین سال پہلے کانگریس کے اجلاس کی صدارت ماسکو میں کی تھی، اس خطبہ میں، روس میں مشرقی علوم کے متعلق جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا بھی ذکر تھا، جس سے معلوم ہوا کہ منو شاستر، دھمپدا، جبکا مالا کے علاوہ کلام پاک، فردوسی کے شاہنامہ، سعدی کی گلستاں، نظامی کے خمسہ، عمر خیام کے رسائل، امیر خسرو کی شیریں خسرو کے ترجمے روسی زبان میں ہوئے ہیں، پھر ہندوستانی فلسفیوں میں رادھا کرشنن، راڈے، چٹوپادھیا، ماہرین معاشیات میں جمال نورس، داڈیا، مرجینٹ، نرائن، باجیت سنگھ، مورخین میں سے ہمایوں کبیر، بنرجی، اور سنگھ، ماہر لسانیات

میں کام آپرشاد گرو اور دوسرے مصنفوں کی تصانیف روس کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوئیں، وہاں ہندوستان کی تاریخ بھی چار جلدوں میں لکھی جارہی ہے جن میں موجودہ دور کی تاریخ دو جلدوں میں شائع ہوچکی ہے، آخر میں، روسی مستشرق نے امن، آشتی، مساوات اور انسداد ظلم پر زور دیتے ہوئے اپنا خطبہ حافظ کے اس شعر پر ختم کیا

درخت دوستی بنشاں کہ کام دل ببار آرد
نہال دشمنی برکن کہ رنج بے شمار آرد

اس کے بعد جناب ہمایوں کبیر کا خطبہ ہوا جو بڑی خاموشی اور توجہ سے سنا گیا، یہ طویل ہونے کے بجائے مختصر تھا، لیکن اس کے ایجاز میں بھی اطناب، اور اجمال میں بھی تفصیل تھی، جو ان کے انداز تحریر اور طرز ادا کی پختگی کی دلیل ہے، اس میں مستشرقین کے کارناموں پر پرمغز تبصرہ تھا، اور ہندوستان پر بیرونی اثرات کے ذکر میں صدر محترم نے بڑی فراخدلی کے ساتھ اس کا اعتراف کیا کہ عہد وسطیٰ سے اسلام اور گذشتہ تین سو برس سے یورپ کی وجہ سے ہندوستان کی زندگی اور طرز فکر میں ایسی بنیادی تبدیلیاں ہوئی ہیں جن کے نتائج دور رس ثابت ہوچکے ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے یہ بھی کہا کہ علوم مشرقی ہی کے مطالعہ سے مغربی ممالک میں تاریخ نویسی کا ایک نیا انداز پیدا ہوا، انگریز ہندوستان آئے تو ان کو تاریخ نویسی کے اسلامی طرز سے سابقہ پڑا، جو عیسائیوں کے مذہبی اور کراماتی انداز بیان سے بالکل پاک تھا، یہ صحیح ہو کہ مسلمان مورخوں نے معاشرہ کے ارتقا، یا تاریخی محرکات سے بحث نہیں کی ہے، لیکن انھوں نے صحیح واقعات قلمبند اور ان کے لیے دیانتداری کے ساتھ ماخذوں اور شہادتوں کو فراہم کرنے میں بڑا اونچا معیار قائم کیا، مسلمانوں کی تاریخ میں شخصیات، حربی تفصیلات اور درباری سازشوں کے واقعات ضرورت سے زیادہ ہیں، لیکن ان سے پہلے یورپ کے مورخین بھی انہی واقعات پر زور دیتے تھے، جو بادشاہوں، فوجی سرداروں اور سیاسی مدبروں کی سازشوں اور سرگرمیوں سے ظہور پذیر ہوتے تھے، مرزا ابو طالب (المتوفی ۱۸۰۶ء) پہلے ہندوستانی اہل قلم ہیں جنھوں نے تاریخی واقعات کے ظہور پذیر میں معاشرتی اور اقتصادی رجحانات کی اہمیت

کا اندازہ لگایا،

اس کے بعد جمہوریۂ ہند کے صدر ڈاکٹر سروپلی رادھاکرشنن کا افتتاحیہ خطبہ پڑھا گیا، جو اپنی علالت کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے تھے، اس لیے ان کا خطبہ بھی جناب ہمایوں کبیر صاحب ہی نے پڑھا جس میں ان کی عام تحریروں کی طرح مذہبی اور فلسفیانہ رنگ غالب تھا، مشرقی فضا پیدا کرنے کے خاطر سنسکرت کے اشعار بھی نقل کیے گئے تھے،

اسی روز ساڑھے چار بجے شام کو راشٹرپتی بھون میں تمام مندوبین صدر جمہوریہ کی طرف سے چائے پر مدعو تھے، صدر کے بجائے نائب صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نے مہمانوں کا استقبال کیا، اور مہمان نوازی کے پورے مشرقی آداب کے ساتھ بڑی خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے مہمانوں سے ملتے رہے،

اسی دن ساڑھے چھ بجے شام کو وگیان بھون میں پنڈت جواہر لال نے مندوبین کو مخاطب کیا، اس میں انھوں نے بتایا کہ قدیم و جدید رنگ میں کیسے ہم آہنگی ہوسکتی ہے،

۵ رجنوری کو نو بجے سے ۱۲ بجے دوپہر اور پھر ڈھائی بجے سے ۵ بجے شام تک مختلف شعبوں کے جلسے مختلف صدارتوں کے ماتحت علحدہ علحدہ کمروں میں شروع ہوئے، شعبوں کی تقسیم یہ تھی:-

(۱) مصریات (Egyptology) صدر پروفیسر اے ابوبکر (۲) سامیات (Semitie studies) صدر ڈاکٹر اے فالکنسٹین (۳) ہٹیات اور کوکیشین اسٹڈیز (Hitite & Caucacian studies) صدر پروفیسر بورس پی اوٹ روسکی، (۴) الٹیک اسٹڈیز اور ترکولوجی (Altaic studies Turcology) صدر پروفیسر فون دی واگان

(۵) ایرانیات (Irnian studies) صدر پروفیسر پور داؤد

(۶) انڈولوجی اینڈ انڈس سویلیزیشن:-

(۱) ویدک اسٹڈیز۔ صدر پروفیسر پال تھیمے (۲) کلاسیکل سنسکرت۔ صدر پروفیسر اے ایل باشم

(۳) مذہب اور فلسفہ - صدر پروفیسر اوبی ور لاکومب. (۴) تاریخ اور کلچر - صدر پروفیسر اے الباشم
(۵) جدید ہندوستانی زبانیں - صدر پروفیسر ہرمن برجر،
(۷) ساؤتھ ایسٹ ایشین اسٹڈیز - صدر پروفیسر بی. جے زویٹ ملڈر (۸) مشرقی
ایشیائی مطالعات - صدر پروفیسر کے اینوکی (۹) اسلامیات - صدر ولفرڈ کینٹول اسمتھ
(۱۰) افریقیات - (افریکن اسٹڈیز) صدر پروفیسر ار، ڈبلیو، بی جے

سب سے زیادہ مقالات انڈولوجی کے شعبے میں تھے، اس کے بعد اسلامیات کا نمبر تھا، اس میں جو مقالات پیش ہوئے اور پڑھے گئے ان کی فہرست حسب ذیل ہے :-

(۱) جمہرۃ الاسلام شاہزادی مختار الدین احمد علی گڑھ (۲) اسلام کے تہتر فرقے. عبد العلیم علی گڑھ (۳) عربی زبان کے کچھ مسائل: اے ال. الہندی الہ آباد (۴) مرزا ابوطالب خاں انگلستان کا ایک ہندوستانی سیاح (۱۸۰۳ء ۱۷۹۹ء) ثروت علی، نئی دہلی (۵) ذوالقرنین ایس. اے علی، دہلی (۶) مسلمانوں کے فلسفہ میں مسرت کا تخیل - عبد الحق انصاری، علی گڑھ (۷) موسوی خاں فطرت - محمد اظہر انصاری، الہ آباد (۸) سلاطین دہلی کے عہد کے مشائخ کے ملفوظات کی تاریخی اہمیت - سید حسن عسکری، پٹنہ (۹) خلیفہ المعتصم کی فوجی اصلاحیں - ڈی ایالون، اسرائیل (۱۰) عیسائیوں کی تصانیف کے ذریعہ وسطی عربی زبان کا مطالعہ - جے. بلاؤ، اسرائیل (۱۱) عہد وسطی میں جلد سازی. گلنار کے بوش، امریکہ (۱۲) لاہور میں مسلمانوں کی قدیم ترین اثری یادگاریں. عبد اللہ چغتائی، لاہور (۱۳) عرب و ہند کے تمدنی تعلقات. پی، این چوپڑا، نئی دہلی (۱۴) مالوہ کی ایک معاصر تاریخ مآثر محمود شاہی. یو. ان. ڈے، دہلی (۱۵) تھیوڈور ریٹس : ڈی، ام، ڈنلوپ، امریکہ (۱۶) جنگ صلیبی کے عہد کے عربی دینار - انڈریو ایس. اہرن کروڈینز امریکہ (۱۷) ہندوستان اور بحر روم کے درمیان تجارتی تعلقات کی عربی دستاویزات - ایس، ڈی. گوئٹن، امریکہ

(۱۸) عربی کیمیا کی ہندوستانی اصل - محمد یحیی ہاشمی، شام (۱۹) معرفت الہی اور خواجہ بندہ نواز - احمد حسین خاں حیدرآباد (۲۰) لفظ اسلام اور مسلمان کے متعلق غلط فہمیاں - محمد اجمل خاں، دہلی (۲۱) کتاب التاجی مولفہ ابواسحٰق ابراہیم الصابی - محمد صابر خاں، جھانگرام (۲۲) شاہ محب اللہ الہ آبادی اور تصوف - یوسف حسین خاں، علی گڑھ (۲۳) حافظ احمد خاں - محمد یوسف کوکن، مدراس (۲۴) کیرالا اور عربی زبان کی خدمت - اے، پی ابراہیم کنجو، فروک (۲۵) ابو علی الہجری اور اس کی تصنیف کتاب التعلیقات والنوادر - ابو محفوظ الکریم معصومی، کلکتہ (۲۶) سیرت کے ماخذ کی حیثیت سے عہد نبوی کی شاعری کا ناقدانہ مطالعہ ام، اے، معید خاں، حیدرآباد (۲۷) مغل حکمرانوں کی سیاست پر نقشبندی اثرات - خلیق احمد نظامی علی گڑھ (۲۸) سلمان اور ایصال کا قصہ - ایس پائنز، اسرائیل (۲۹) مسلمانوں اور مغرب کی لڑائیوں کے جغرافیائی اور سیاسی اثرات - از ابراہیم ان، پالی اک، اسرائیل (۳۰) حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی ولادت اور وفات کی تاریخ کا ناقدانہ مطالعہ - سید صباح الدین عبد الرحمن اعظم گڈھ (۳۱) عزۃ الکمال - غلام دستگیر حیدرآباد (۳۲) شاہ ولی اللہ اور مذہبی خیالات کی نئی تشکیل. غلام دستگیر رشید، حیدرآباد (۳۳) سولھویں اور سترھویں صدی کے ہندوستانی مسلمانوں کی تحریک تجدید، ایس، اے، اے، رضوی الہ آباد (۳۴) سندھ میں عربوں کے کارنامے - ایس، بی. صمدی، لکھنؤ. (۳۵) مرہٹوں کے نظام عدل پر اسلام کے اثرات - ڈی، ان سایتھے، پونہ (۳۶) مرزا سلیمان کے سیاسی قتل کی اہمیت - ا. ام. ساوری. کینیڈا (۳۷) عربی زبان کے ضرب الامثال. سلیہم، فرنکفورٹ (۳۸) صحاح ستہ اور المزی - عبد الصمد شرف الدین بھیونڈی (۳۹) مولانا آزاد کی تفسیر کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات - ام، ام صدیقی حیدرآباد (۴۰) حی بن یقظان کی تالیف میں ابن طفیل کا مقصد - ز، اے صدیقی، علی گڑھ (۴۱) عربی زبان کی اہم کتابوں میں اقتصادی نظریے جوزف ڈی سوموگئی، کیمبرج (۴۲) جدید عربی ادب میں سیف لیا زجی کے مقام سے متعلق نئی روشنی.

لے. ال. طیباوی، ایلشر، انگلستان (۴۳) صفی قزوینی کے سفرنامہ حج کا ایک نادر مصور قلمی نسخہ - پروفیسر
سید نجیب اشرف ندوی، بمبئی (۴۴) قرآن میں اسلام اور ایمان کا تخیل۔ ام. لے. رؤف کوالالمپور ملایا
(۴۵) مرزا ابوطالب۔ ام. لے. صدیقی علی گڑھ (۴۶) عرب اور دراس امید: مقبول احمد علی گڑھ،
(۴۷) ملایا میں اسلام۔ ام. لے. رؤف، کوالالمپور، ملایا۔

معارف کے ناظرین کی دلچسپی کے لیے اور دوسرے مقالے جو مختلف شعبوں میں پیش کیے گئے، ان میں
سے کچھ یہ ہیں:

الف۔ (۱) مصر کی قومی پارٹی میں محمد فرید کی قیادت کا جائزہ: مصطفیٰ کامل، ہنولولو، ہوائی۔
(۲) مشرق قریب میں اطالوی فن تعمیرات: سباتینو موسکاتی، اٹلی۔

ب۔ ٹرکولوجی۔ (۱) ترک اور منگول سلاطین کے عہد کی نمائندگی: ایمل اسین، استنبول۔
(۲) عبدالکریم پاسنبس کی ایک تصنیف: فورمن اٹزکوویز، امریکہ (۳) اٹھارہویں صدی عیسوی
کے آغاز کا ایک عثمانی قانون نامہ: مصطفیٰ محمد، رومانیہ (۴) سترہویں صدی کی ترکی شاعری میں
حافظ کے اثرات: نعیم الدین، ناگپور

ج۔ ایرانیات۔ ایرانیات کے مطالعہ میں تبدیلی کی ضرورت: سہراب باٹلی والا، بمبئی۔
(۲) فارسی کی لوک کہانیوں میں درویش کا حصہ: ال. ای. ایل ویل سٹن، اڈنبرا۔ (۳) اسلام
سے پہلے کا ایران ابن خلدون کی نظر میں: والٹر جے فشل، برکلے، امریکہ (۴) بلوچی زبان کے جدید رجحانات:
علی اکبر جعفری، طہران (۵) ہمایوں ایران میں: معصوم رضا کاظمی، پٹنہ (۶) ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۷ء
کے درمیان ایران میں برطانیہ کی پالیسی: نکی ار کڈی، کیمبرج (۷)، تاجک اور فارسی زبانوں کی
امتیازی خصوصیات: جیفر ڈولورنز، برلن (۸) اردو شاعری پر رومی کے اثرات: ایس نعیم الدین
ناگپور (۹) جدید فارسی میں افعال: ہربرٹ اچ پیپر، امریکہ (۱۰) عمر خیام ایک فلسفی اور ماہر ریاضیات

کی حیثیت سے: ایچ. سی. پول، کرشن نگر (۱۱) فارسی ادب میں شعروشاعری کی تنقیدات: نجیب الرحمن
علی گڑھ (۱۲) مشرقی روح کی بلندی: ایران کا ایک مطالعہ۔ میگل النزو ر دمبرو مبیکسکو
(۱۳) ہرات کے سوال پر برطانیہ اور ایران کے تعلقات: بی. ان. ٹنڈن، لکھنو (۱۴) ملکان پر کچھ تاریخی روشنی
نذیر احمد، علی گڑھ (۱۵) ہندوستان کے مغل حکمرانوں کے عہد کا ایک فارسی شاعر: سید حسن، پٹنہ،
(۱۶) فارسی زبان میں ہندوستان کا ادب العالیہ: ہیرالال چوپڑا، کلکتہ (۱۷) شیخ عراقی۔ ایک
صوفی شاعر کی حیثیت سے: وائی ڈی اہوجہ دہلی (۱۸) شمس تبریزی: بی. زیڈ. فاروسنفر، ایران
(۱۹) فارسی لغت: ام. مینادی، ایران (۲۰) ایرانی کھانے. لے. اچ زرین کوب ایران۔

د۔ انڈولوجی (ہندوستانیات) (۱) دسویں صدی کے ایک ایرانی جغرافیہ نویس کی نظر میں
ہندوستان: بودھ پرکاش، چنڈی گڑھ (۲) پتنجلی یوگ سوتر اور البیرونی کا ترجمہ: ٹی گپ لم
اور اس پائنز، اسرائیل (۳) گجرات کے عہد وسطیٰ کی تاریخ نویسی کا پس منظر: سید اکبر علی ترمذی
نئی دہلی (۴) ماسٹر رام چندر: خواجہ احمد فاروقی، دہلی۔

۵ر جنوری کو ساڑھے چھ بجے شام کو مندوبین کی تفریح کے لیے ایک سنسکرت ڈرامہ اور رقص
وسرود کا بھی سامان کیا گیا تھا، جن لوگوں کو اس سے دلچسپی تھی، وہ اس میں شریک ہوئے، ۸ر جنوری
کو چھ بجے شام کو "انسانیت کی فلاح میں علوم شرقی کا حصہ" کے عنوان پر ایک مذاکرہ تھا، ۹ر جنوری کو
"مسلمانوں کے پرسنل لا میں تبدیلیاں" پر بھی ایک مباحثہ تھا، جس میں (۱) مولانا سید احمد اکبرآبادی، علی گڑھ
(۲) جناب سیف اللہ امین سفیر ترکی (۳) جناب احمد حسن الفنکی سفیر متحدہ عرب جمہوریہ (۴) پروفیسر
سید حسین نصر، ایران (۵) پروفیسر جے. ان. ڈی اینڈرسن (۶) میر اقبال حسین (۷) مولانا فضل الرحمن
(۸) پروفیسر محمد اجمل خاں (۹) اور خواجہ محمد احمد نے حصہ لیا، مذاکرہ کی بحث سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا
ہے کہ مسلمانوں کے پرسنل لا میں قرآن اور حدیث کی رو سے صرف علما ہی کے ذریعہ سے تبدیلی پیدا کیجا سکتی ہے۔

۱۰ جنوری کو ساڑھے بارہ بجے جناب ہمایوں کبیر صاحب کی طرف سے الوداعی دعوت تھی پھر ڈھائی بجے سے پانچ بجے تک مختلف کمیٹیوں کی رودادیں پیش کی گئیں،

کانگریس کی طرف سے اہم اور نادر مخطوطات کی نمائش بھی تھی، عربی میں حسب ذیل کتابیں قابل ذکر تھیں:

(۱) کلام پاک کا آٹھویں صدی عیسوی کا ایک نسخہ، مخزونہ نیشنل میوزیم نئی دہلی (۲) مختصر الکافی (فقہ حنفی) مصنف ابوالفضل محمد بن محمد، کاتب احمد بن محمد بن احمد الدامغانی الانصاری ۷۱۴ھ (۱۳۱۴ء) مخزونہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد (۳) النکتہ والعیون (تفسیر) مصنف ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری (م ۴۵۰ھ = ۱۰۵۸ء) کاتب جعفر بن علی بن ابی محمد۔ مخزونہ رضا لائبریری رامپور، (۴) معونة المعین المختصر من سیاست الدنیا والدین (سیاست اسلامی) مصنف یوسف بن محمد بن اسحٰق الخراسانی، مخزونہ سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد، اس پر شاہ یمن اور مغل امراء کی مہریں بھی ہیں (۵) کتاب الفصول (طب یونانی) مصنف موسیٰ عبداللہ ۶۰۱ھ (۱۲۰۴ء)، کاتب یوسف بن عبداللہ مخزونہ رضا لائبریری، رام پور (۶) کتاب المختصر فی فنون من الصنائع (صنعت) مصنف محمد بن قوامی بن صفی بن محمد ضیا ترک ناگوری عرف قاضی خاں (۸۷۷ھ = ۱۴۷۲ء) مخزونہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری، حیدرآباد، (۷) فتاوی البیرانیہ (فتاوی) مصنف عبدالوہاب بن یزید بن ابی سعید البیرانی، مخزونہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد (۸) الاختصار والتجرید (حدیث) مصنف ابوعبداللہ محمد بن عثمان بن عمر الشافعی، مخزونہ ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ۔

فارسی مخطوطات میں دیوان حافظ، گلستاں، بوستاں، دیوان شمس تبریزی، دول رانی خضر خاں (از امیر خسرو) آئین اکبری، شاہجہاں نامہ، بادشاہ نامہ، طب شفا محمود شاہی کے نادر نسخے تھے، مصور نسخوں میں انوار سہیلی، بابر نامہ اور تاریخ خاندان تیموریہ قابل ذکر ہیں، جن میں اکبری عہد اور جہانگیری عہد کے مصوروں کی تصویریں تھیں، ان مخطوطات میں تزک جہانگیری کا

وہ قلمی نسخہ بھی تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ خود جہانگیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

دہلی میں انڈین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کا ایک اہم ادارہ قائم ہوا ہے جس کے سرپرست اور روح رواں حکیم عبدالحمید صاحب مالک ہمدرد دواخانہ ہیں، اس کی طرف سے بھی ایک نمائش تھی، جس میں ان عمارتوں کا خاکہ دکھایا گیا تھا، جو اس ادارہ کے لیے آیندہ بننے والی ہیں، پھر بہت سے قلمی نسخے بھی خوبصورتی سے سجے ہوئے رکھے تھے، ان میں ترجمہ تفسیر طبری از ابوبکر محمد بن فضل الامام کا ایک قدیم نسخہ چوتھی صدی ہجری کا تھا، احیاء العلوم کا ایک نسخہ ۵۴۲ھ کا مخطوطہ تھا، لوائح جامی کے ایک قلمی نسخہ پہ شاہجہاں اور اس کے جانشینوں کی شاہی مہریں تھیں، مرزا صائب کے شاگرد قاسم نامی کی رباعیوں کا ایک مجموعہ بہت ہی خوشخط لکھا ہوا تھا، ہری سکھ رائے بن جیون داس کی تاریخ مجموعۃ الاخبار کی تین جلدیں بھی تھیں، جس میں ہندوستان کے مغل حکمرانوں کے حالات ہیں۔

بزم تیموریہ

اس میں مغل سلاطین بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر اور تیموری شہزادوں اور شہزادیوں کے علمی ذوق، اور ان کے دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء کے مختصر تذکرہ کے ساتھ ان کے علمی کمالات کی تفصیل اور بہادر شاہ ظفر کی شاعری اور ان کے کلام پر تبصرہ اور غالب، میر تقی میر و ناسخ و آتش سے ان کے کلام کا موازنہ ہے

مرتبہ: سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے

ضخامت ۴۷۸ صفحے قیمت معہ

اثاثۂ علمیہ و ادبیہ

مکاتیب سید حسین بلگرامیؒ

بنام

مولانا سید سلیمان ندویؒ

۲۰ر مئی ۲۲ء مطابق ۲۳ر رمضان المبارک ۴۰ھ

جناب مخدومی مکرمی زیدت معالیہ

عنایت نامہ پہنچا۔ نہایت مشکور و ممنون ہوا۔

کتاب العمدۃ فی الجراحات ضرور بھیجد یجئے، یا تو کتب خانہ کے نام بھیجئے یا خود بندہ کے نام روانہ کیجئے، غالباً خرید لیجائے گی، یا اس کی نقل بذریعہ کاتب کتب خانہ حاصل کر لیجائے گی۔

دائرۃ المعارف کی توسیع مدت گذری ہو چکی ہے، اور سر دست کوئی خدمت خالی نہیں ہے، بندہ کو سید ہاشم صاحب کا خود خیال ہے، کوئی موقع ملے گا تو ضرور ان کو اس رشتہ میں شامل کر لیا جائیگا، وہ بیچارے بالفعل جس کام پر ہیں وہ ان کی لیاقت سے بہت گرا ہوا ہے،

تفسیر ابی مسلم اصفہانی کا نسخہ پہنچ گیا، ندوہ[1] نے اسے چھاپکر بڑا احسان کیا ہے، کتاب قابل قدر ہے، میں مطالعہ کر رہا ہوں۔

"یومنون بالغیب" کی تاویل سے آپ متفق ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ معنی کیونکر قبول کیے جائیں،

---

[1] معارف۔ ندوہ سے یہاں مراد دار المصنفین ہے۔

آپ کے دار المصنفین کو کسی کی سند کی ضرورت نہیں ہے، خصوصاً ایسے نا اہل کی جیسا کہ راقم الحروف ہے، دار المصنفین ایسا کام انجام دے رہا ہے، جو آج تک ہندوستان میں کبھی شروع تک نہیں ہوا، خود معارف اس کا بین ثبوت ہے،

میری حالت بہت زار ہے، آنکھوں میں بصارت ضعیف ہے، اور پاؤں کے درد کے مارے چل پھر نہیں سکتا، کتاب بینی برائے نام رہ گئی ہے، سن کا مقتضیٰ بھی یہی ہے، میرا سن اب اسی برس کا ہے،

ع دانم کہ چند رفت و ندانم کہ چند ماند

تفسیر ابی مسلم میں آپ کا دیباچہ کس قدر عمدہ ہے۔

دیگر لطف عالی زیادہ باد

بندہ

سید حسین بلگرامی

۱۶ر جولائی ۲۲ء

جناب من

مرحمت نامہ مورخہ ۱۱ر جولائی کل صبح کے وقت وصول ہوا، باعث مسرت و امتنان ہوا، دیوان انوری اور رقعات اورنگ زیب شائع ہو جائیں گے تو قدر داں لوگ بہت قدر کریں گے تفسیر ابی مسلم میں "یومنون بالغیب" کی تفسیر کے نسبت جناب کی کیا رائے ہے۔

میرے کتب خانہ کا زیادہ حصہ فروخت ہو گیا، باقی ماندہ بھی فروخت ہو جائے گا۔ انشاء اللہ بوقت رخصت بشرط صحت مزاج کچھ کتابیں انتخاب کر کے دار المصنفین کی نذر کروں گا۔ فی الحال بندہ بالکل معذور ہے،

زیادہ لطف عالی زیاد باد

بندہ

سید حسین بلگرامی

مکرر عرض ہے

مکانکس کی فارسی کتاب کس عہد کی اور کس کی تصنیف ہے، اور کس ملک میں تصنیف ہوئی، اس کی قدر و قیمت اس کی قدامت پر موقوف ہے،

۱۷ر اگست ۲۲ء

جناب مخدومی محترمی زیدت معالیہ و بورکت ایامہ ولیالیہ

آپ کے عنایت نامہ کے جواب میں تاخیر ہوئی، معاف فرمائیے، بندہ کا مزاج مدت سے کسلمند ہے، میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سرکاری طور پر اس وقت تک دارالمصنفین کے رقم امداد کے بند کرنے کا کوئی حکم یا تجویز نہیں ہے، مگر عام طور پر لوگوں کے زبانی یہی خبر سننے میں آئی کہ اعانت بند کر دی گئی ہے، انشاء اللہ پھر دریافت کر کے مطلع کروں گا۔

البتہ اس قدر معلوم ہوا کہ معارف کے مداخلت سیاسی امور میں خصوصاً مخالفانہ خیالات ہماری[1] سرکار کو ناپسند ہیں، ممکن ہے کہ اس سے دارالمصنفین کو ضرر پہنچے۔

میری حقیر رائے یہ ہے کہ معارف کو سیاسیات سے بالکل احتراز کرنا چاہیے، ایسے معاملات میں مداخلت کرنے سے کیا فائدہ ہے، انجام اس کا سخت مضر ہوگا[2]۔ فقط

عقیدتمند

سید حسین بلگرامی عماد الملک

۱۴ر اپریل ۲۳ء ۱ر رمضان المبارک

جناب مخدومی مکرمی زیدت معالیہ و بورکت ایامہ ولیالیہ۔

عنایت نامہ پہنچا، باعث سرفرازی و مسرت ہوا، ابن رشد[3] کا نسخہ بھی پہنچ گیا، اور اب

---

[1] معارف: یعنی انگریزی حکومت کے خلاف [2] معارف: یہ مشورہ قبول نہیں کیا گیا جس پر اس زمانہ کے شذرات شاہد ہیں،
[3] معارف: مولانا محمد یونس مرحوم فرنگی محلی کی تصنیف جو دارالمصنفین سے شائع ہوئی تھی،

احتیاطاً جلد کرا کے ہاتھ میں ہے، انشاء اللہ اگر ممکن ہوا تو کتاب کا مطالعہ کروں گا، اپنے قسم کی یہ پہلی کتاب اردو زبان میں تالیف ہوئی ہے،

مجھ غریب کی حالت کچھ ایسی ہے کہ کسی کتاب کا من اولہ الی آخرہ مطالعہ کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے، بصارت میں بہت ضعف آگیا ہے، اور حافظہ رخصت ہو گیا ہے، "پیری و ہزار عیب و امنگیری" کا مصداق ہوں،

آپ اگر یہاں تشریف لائیں گے تو حیدرآباد کو ایک نیا شرف حاصل ہوگا اور مجھکو بڑی مسرت ہوگی،

شبیر حسین صاحب جوش یہاں ہیں، اور چند بار مجھ سے ملے ہیں، آجکل ایک نئی کتاب لکھ رہے ہیں، جس کو ہماری سرکار میں پیش کریں گے۔ زیادہ التماس دعائے خیر کا

رقیمۂ بندۂ درگاہ

سید حسین بلگرامی عماد الملک

کریگ مور، اوٹکمنڈ، نیلگری

۸ر مئی ۱۹۲۳ء (۲۱ر رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ

جناب مکرمی محترمی زیدت معالیہ و بورکت ایامہ ولیالیہ

مبارک ہو، بڑی خوشی کی بات ہے کہ آخرکار ہمارے خداوند نعمت نے ندوہ کالج کی قدر فرمائی، اور تین سو روپیہ ماہانہ سے اس کی امداد فرمائی،

بندہ تو مع عیال اوائل ماہ اپریل سے یہاں اس پہاڑی مقام میں مقیم ہے، یہ بہت سرد جگہ ہے، میں نہیں عرض کر سکتا کہ مجھکو یہاں آنے سے کتنا فائدہ ہوا، کیونکہ سخت گرمی سے ایسے سرد ملک میں آنا جہاں اکثر آتش خانہ روشن کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، جلد فائدہ محسوس ہونا مشکل ہے، علاوہ اسکے بقول "پیری و ہزار عیب و امنگیری"۔ اسی برس کے سن میں کامل صحت کا قائم رکھنا دشوار ہے، جس روز سے، جولائی ۱۹۲۱ء میں مقام لندن میں بندہ پر حادثہ عظیم گزرا، جس سے

میرا بایاں پاؤں ٹوٹ گیا، اس روزے میں بالکل معذور ہوں، نقل و حرکت دشوار ہے، کہیں آنا جانا محال ہے،

مجھے بڑی مسرت ہوگی اگر جناب بندہ کو مطلع فرمائیں کہ ندوہ کالج میں کون کون کتابیں درس میں ہیں، کونسے علوم و فنون کی تعلیم ہوتی ہے،

حیدرآباد واپس جانے پر انشاء اللہ پوری کیفیت بارگاہ خسروی میں پیش کروں گا تاکہ حقیقت حال معلوم ہو۔ اور بندہ نے جو کچھ عرض کیا تھا، اس کی تصدیق ہو جائے۔ فقط

دیگر لطف دعاے زیاد باد

بندۂ کمترین

سید حسین بلگرامی

ادبیات

بیتابیِ شوق

زائر حرم حمید صدیقی لکھنوی

سوئے حرم اہلِ سفر لے چلو
کب سے ہوں میں خاک بسر لے چلو

سوزشِ دل، دیدۂ تر لے چلو
ساتھ یہی رختِ سفر لے چلو

دوریِ طیبہ سے ہے مضطر حمید
دھن ہے یہی شام و سحر لے چلو

نذر کروں تم کو میں حج کا ثواب
کوچۂ طیبہ میں اگر لے چلو

لے تو چلو آگے ہمارا نصیب
جو بھی گذر جائے مگر لے چلو

پھر مری منزل مجھے مل جائے گی
پہلے سرِ راہ گذر لے چلو

قبلۂ دل، سجدہ گہِ عاشقاں
کعبۂ کعبہ ہے جدھر لے چلو

ہوتی ہے جس کوچے میں تکمیلِ حج
کاش مجھے پہلے ادھر لے چلو

گردِ رہِ شوق ہی سمجھو مجھے
منزلِ طیبہ پہ مگر لے چلو

ان کی عنایت ہے تو باقی یہ عمر
طیبہ میں اب ہوگی بسر لے چلو

کیفِ حضوری کے لیے شرط ہے
خستگیِ درد و اثر لے چلو

حسنِ حقیقت کی جسے تاب ہو
وہ نگہِ جلوہ نگر لے چلو

مہرِ رسالت ہے جہاں ضو فگن
اب یہ وہیں دامنِ تر لے چلو

اور تو کیا ہے پئے نذرِ حبیبؐ
اشکِ ندامت کے گہر لے چلو

جلوے ہی جلوے ہیں وہاں ہر طرف
وسعتِ دامانِ نظر لے چلو

ان کے حضور آرزوے دلِ حمید
ایک بعنوانِ دگر لے چلو

غزل

از جناب مرزا سعید الظفر چغتائی دریابادی ایم ایس سی

تصورات کا ہر گوشہ جگمگایا ہے
یہ کون آج خیالوں میں میرے آیا ہے

شبِ فراق کا احساس تک نہیں باقی
سحر کا نور ضمیرِ جنوں پہ چھایا ہے

دہکتی آگ تمنا کی ہو گئی گلزار
مرا حبیب مرے دل میں مسکرایا ہے

ہے ایک موجِ تبسم حیات در آغوش
جو اس نے حسنِ تصور کو گدگدایا ہے

کہیں کرشن نے چھیڑی ہے تان بنسی کی
کہیں یہ حافظِ شیراز گنگنایا ہے

مرے وجود کا ہر ریشہ، برگِ گل کی طرح
نسیمِ صبح کا نم پا کے رسمسایا ہے

نیا چراغ جلا آرزو کی محفل میں
حریمِ ناز کا ہر تار جھلملایا ہے

شعر الہند حصہ دوم = اس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے۔ ضخامت ۴۶۲ صفحے قیمت ؎ (طبع ششم)

منیجر

مطبوعات جدیدہ

روزگار فقیر از فقیر الدین صاحب، صفحات ۲۵۷، کتابت و طباعت اعلیٰ معیاری،

قیمت ؎

علامہ اقبال کی وفات سے لیکر ابتک ان کی زندگی اور علم و فضل اور شاعری پر بیشمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں، ان کی زندگی، شاعری اور علم و فضل کا کوئی گوشہ مشکل ہی سے بچا ہوگا جس پر پوری پوری کتاب نہ لکھی گئی ہو، روزگار فقیر اقبالیات میں ایک نیا اضافہ ہے، اور واقعی وہ ہر لحاظ سے نیا ہے، یہ کتاب نہ تو علامہ اقبال کی سوانح عمری ہی ہے، اور نہ ان کے علم و فضل اور فلسفہ و شاعری کا تذکرہ ہے، بلکہ یہ ذاتی ڈائری ہے جس کا موضوع ہے اقبال بحیثیت انسان اور محبِ رسول۔

سید فقیر الدین صاحب کے والد اور انکے خاندان سے علامہ اقبال کے برسوں گھریلو تعلقات رہ چکے ہیں، مرتب بچپن ہی سے علامہ کی مجلسوں میں شریک ہوتے اور ان کی گفتگوئیں سنتے رہے ہیں، اور ان کو انھوں نے جلوت و خلوت دونوں میں بہت قریب سے دیکھا ہے، اس لیے اس میں انھوں نے علامہ اقبال کی جن گھریلو اور نجی مجلسوں کی گفتگوؤں کو نقل کیا ہے، وہ شنیدہ سے زیادہ دیدہ ہیں، یہ گو ایک شخص کی ذاتی ڈائری ہے، مگر علامہ اقبال کی آفاقیت نے اسے بھی آفاقیت بخش دی ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے علامہ اقبال کی زندگی کے بعض ایسے گوشے سامنے آجاتے ہیں جو اس سے پہلے کم ہی لوگوں کے علم میں تھے، اس میں کوئی تصنیفی ترتیب نہیں ہے مگر کتاب اتنی سنجیدہ و شگفتہ اور پر معلومات ہے کہ ایک ہی مجلس میں ختم کر ڈالنے کو جی چاہتا ہے، کتاب کی طباعت و کتابت معیاری اور ذاتی کتب خانہ میں رکھنے کے قابل ہے، اس لحاظ سے

ساڑھے سات روپے اس کی قیمت کچھ زیادہ نہیں ہے۔

فن تعمیر: از ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی صاحب ضخامت ۹۶ صفحات، ٹائپ عمدہ، ناشر ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ اردو بازار، لاہور۔ قیمت عہ

ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی صاحب ایک معمار خاندان کے فرد ہیں، اور ایک مدت سے وہ اس موضوع پر جو تحقیقی مواد پیش کر رہے ہیں اس سے اہل علم واقف ہیں، اس موضوع پر ان کی متعدد کتابیں اور مضامین شائع ہو چکے ہیں، زیر تبصرہ کتاب دنیا کے فن تعمیر کی ایک مختصر تاریخ ہے، اس میں انھوں نے قدیم مصر کا یونانی، رومی اور ہندی تعمیروں کی خصوصیات سے لیکر موجودہ عہد تک کی تعمیری خصوصیات اور ان پر گفتگو کی ہے، خاص طور پر مغل فن تعمیر جس پر وہ سند ہیں، زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، دنیا کی تمام اہم تعمیرات کے تذکرے کے ساتھ ان کی تصویریں بھی دیدی ہیں جس سے یہ کتاب فن تعمیر کا مرقع بن گئی ہے، تاریخی کام کرنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہوگا۔

اسلامی قانون کی تدوین: از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی، صفحات ۱۶۸، کتابت وطباعت بہتر۔ مع گردپوش، ناشر مکتبۂ المنبر لائل پور، قیمت سے

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے مختلف علمی مجلسوں میں اس موضوع پر مختلف لکچر دیے تھے، جس کا کچھ حصہ مضمون کی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے، انہی کو مکتبۂ المنبر نے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، مولانا نے اس میں اسلامی قانون، اسلامی قانون کے مآخذ، اسلامی قانون کا ارتقاء، اسلامی قانون کی تدوین اور اجتہاد وغیرہ مسائل پر بحث کی ہے، اسی کے ساتھ اس کے نفاذ کے طریقے اور موانع پر بھی گفتگو کی ہے، اس سلسلہ میں تعلیم یافتہ ذہنوں میں جو شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، ان کا عقلی و الزامی دونوں حیثیتوں سے جواب بھی دیا ہے، غرض یہ کہ مولانا نے اس پوری کتاب میں اپنے ذوق کے مطابق اسلامی قانون کی بڑی اچھی نمایندگی کی ہے۔

اسلامی قانون کے مآخذ کے ضمن میں مولانا نے جو معروف اور مصلحت کا ذکر فرمایا ہے، اس میں بنیادی مآخذ اور ضمنی مآخذ کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے تھا، اگر مولانا کے نزدیک اجماع اجتہاد ہی کی ایک شکل ہے تو یہ دونوں خالص اجتہادی مآخذ ہیں، ان کو بالذات مآخذ بنانے میں بہت سے فتنوں کا اندیشہ ہے، جس کا اظہار فقہا نے ان کے ذکر میں کر بھی دیا ہے، یہ ایک فنی کتاب ہے اس لیے اسے اسی انداز میں لکھنا زیادہ موزوں تھا، یہ موضوع اصول فقہ کا ہے جس پر متقدمین نے مفروغ عنہا کام کر دیا ہے، اس لیے جابجا ان کی رایوں کا ذکر آنا چاہیے تھا، تاکہ یہ تاثرات اور ذوقیات کی قسم کی چیز نہ بن جاتی، کتاب متوسط پڑھے لکھے لوگوں کے بار بار مطالعہ کے لائق ہے۔

مکاتیب یورپ: از مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی، ضخامت ۴۰ صفحے، کتابت وطباعت متوسط، ناشر مکتبۂ اسلام گوئن روڈ، لکھنؤ، قیمت عہ

یورپ کے بیشتر ملکوں میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی ہے، اور مختلف اسلامی ملکوں سے ہزاروں طلبہ ہر سال ان ملکوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں، اور وہاں جا کر اکثر اسلامی روایات کو بھول جاتے ہیں، بلکہ بسا اوقات مناسب ذہنی و عملی تربیت نہ ملنے کی وجہ سے اسلامی تعلیمات سے باغی ہو جاتے ہیں، اور یہی اپنے وطن میں واپس جا کر فاسد جراثیم دوسرے ذہنوں میں ڈالتے ہیں، جناب شیخ سعید رمضان صاحب جو اسلامی دردمندی کے جرم میں مصر بدر ہو کر جنیوا میں مقیم ہیں، انھوں نے یورپ میں رہنے والے طلبہ کی فکری و عملی راہنمائی اور اسلامی تربیت کے لیے جنیوا میں ایک اسلامی سنٹر قائم کیا ہے، جس کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کے ایک ممبر مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی بھی ہیں، مولانا اسی بورڈ کی مجلس میں شرکت کے لیے جنیوا تشریف لے گئے تھے، اور اس ضمن میں انھوں نے یورپ کے بعض اور ملکوں مثلاً فرانس، انگلستان اور اندلس وغیرہ کا دورہ بھی کیا، وہاں سے مولانا نے اپنے عزیزوں اور تلامذہ کو جو خطوط لکھے ہیں، انکو مکتبۂ اسلام لکھنؤ نے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، یہ سفر

خالص علمی و دینی تھا، اس لیے ان خطوط میں بھی اس کی پوری جھلک موجود ہے، یہ خطوط خاص طور پر دعوت دین کا کام کرنے والوں کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

اقلیت واکثریت کے مسائل۔ از مولانا عبد الرؤف صاحب رحمانی جھنڈا نگری، صفحات ۹۰، کتابت وطباعت بہتر، پتہ قاضی مبارک اللہ، بڑھنی بازار، راہت گنج بستی۔ قیمت عہ

کتاب کے نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں اقلیت واکثریت کے ان مسائل کا ذکر ہوگا جو ان کے لیے پریشان کن ثابت ہو رہے ہیں، اور ان کا تفصیلی تذکرہ کرکے ان کے حل کی کچھ سیاسی اور عقلی بنیادیں فراہم کی گئی ہوں گی، مگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے، کہ اقلیت واکثریت کا تصور سرے سے غلط ہے، غلبہ وتسلط کا تعلق دوسرے عوامل سے ہے، پھر مسلمانوں کے دور حکومت کے ایسے بہت سے تاریخی واقعات نقل کیے گئے ہیں، جن سے ان کی محکوم نوازی اور مذہبی وتہذیبی آزادی کا پتہ چلتا ہے، اس لحاظ سے کتاب مطالعہ کے لائق ہے۔

۔۔۔ اور ہندوستان جاگ اٹھا۔ از عبد القوی دسنوی صفحات ۴۰، کتابت وطباعت بہتر، پتہ شعبہ اردو ڈگری کالج بھوپال، قیمت درج نہیں۔

نومبر ۱۹۶۲ء میں چین نے ہندوستان کی شمالی مشرقی اور مغربی شمالی دونوں سرحدوں پر جارحانہ کارروائیاں شروع کردیں اور ایک ماہ کے اندر اندر اس نے ہزاروں میل زمین پر قبضہ کرلینے کی کوشش کی، اس جارحانہ کارروائی سے ملک کی سالمیت کو خطرہ پیدا ہوگیا جس سے یہاں کا بچہ بچہ متاثر ہوا، چنانچہ اردو شعراء بھی اس سے متاثر ہوئے اور انھوں نے پچھلی روایات کے مطابق ایسی پرجوش اور موثر رزمیہ نظمیں لکھیں کہ اگر وہ نظمیں اردو نہ سمجھنے والے فوجیوں کے سامنے بھی پورے انداز و جذبہ کے ساتھ پڑھ دی جائیں تو ان کا جوش دوبالا ہوجائیگا، اس میں ہر خطہ اور صوبہ کے شعرا نے حصہ لیا ہے، انھی مختلف نظموں کو عبد القوی صاحب دسنوی نے "۔۔۔ اور ہندوستان جاگ اٹھا" کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کردیا ہے۔

ج، م

جلد ۹۳۔ ماہ شوال المکرم ۱۳۸۳ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۶۴ء۔ عدد ۳

مضامین